

تعلیم و تربیت
...اور دعا قبول ہو گئی
اکتوبر 2014
لیاقت علی خان
سخی بادشاہ
اشفاق احمد



اکتوبر 2014ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ایک آدمی نے نہایت شوق سے گھر کے پاس ایک خوب صورت سا باغ لگا رکھا تھا جس کی روزانہ وہ خود دیکھ بھال کرتا تھا۔ ایک دن وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا کہ اس کا چھوٹا بیٹا ہاتھ میں کلہاڑی لے کر باغ کی سیر کو نکلا اور اس نے کلہاڑی کو آزماتے ہوئے ایک سب سے اچھا درخت کاٹ دیا۔

جب شام کو باپ نے آ کر باغ کو دیکھا تو اس درخت کو کٹا ہوا پا کر اسے بہت غصہ آیا اور وہ ہر ایک سے پوچھنے لگا کہ یہ درخت کس نے کاٹا ہے؟

اسی اثناء میں بیٹا بھی آ گیا۔ باپ نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف گوئی سے کام لیا اور کہہ دیا۔ "آپ ناراض تو ہوں گے مگر میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ یہ درخت میں نے ہی کاٹا ہے۔"

باغ کا شوقین باپ پہلے تو اتنا غصے ہو رہا تھا لیکن بیٹے کے سچ بولنے پر اس نے نہایت خوشی سے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا اور کہا۔ "بیٹا مجھے تمہاری سچائی سے اتنی خوشی ہوئی کہ درخت کٹ جانے کا غم اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ شاباش! زندگی میں اسی طرح سچ بولا کرنا۔"

باپ کے اس طرح معاف کر کے شاباش دینے کا بیٹے کے دل پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ اس نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہ بولا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی سچائی سارے علاقے میں مشہور ہو گئی۔

اس لڑکے کا نام جارج واشنگٹن تھا جس نے امریکا کو آزاد کرایا اور وہی اس بہت بڑے ملک کا سب سے پہلا صدر چنا گیا۔ امریکا کے صدر مقام کا نام بھی اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

پیارے بچو! سچ بولنا بہت اچھی عادت ہے۔ جھوٹ بول کر ہم اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ اگر سچ بولنے کو ہم اپنی عادت بنا لیں تو ہمیں بہت سی برائیوں سے نجات مل جائے گی۔

اس شمارے میں ناول "دولت پور میں" کی آخری قسط چھپ رہی ہے۔ آپ تمام ساتھیوں نے اس کی قسط وار اشاعت کو بہت سراہا اور ہمیں تعریفی خطوط بھیجے جس کے ہم بہت شکر گزار ہیں۔ اس کے بعد ہم ان شاء اللہ اس سے زیادہ دل چسپ ناول یا سلسلہ آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ امید ہے کہ تمام دوستوں کو بہت زیادہ پسند آئے گا۔

اچھا اب اجازت دیں، باقی آئندہ......... فی امان اللہ (ایڈیٹر)

ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام
اسسٹنٹ ایڈیٹر: عابدہ اصغر
سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور لطیفے

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت چیک، بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ لاہور، کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائداعظم، لاہور

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور
UAN: 042-111 62 62 62 Fax:042-36278816
E-mail:tot.tarbiat.ls@gmail.com
tot.tarbiat.ls@live.com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)=850 روپے۔
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے)=2400 روپے۔
ایشیا، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے)=2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرقِ بعید (ہوائی ڈاک سے)=2800 روپے۔

قیمت فی پرچہ 30 روپے



حمد باری تعالیٰ

ایک اللہ واحد اللہ بے مثل اور لاجواب
اس کا نہیں ثانی نہیں کوئی اس کے ہی جلوے بے حساب

آسمانوں کی ہر اک شے اور زمیں جو کچھ بھی ہے
اس کی تسبیح میں لگے جب ہے جو مقصود کائنات

مرتبہ پانے اسی سے انبیاء اور اولیاء
ورنہ مردی اور قلندری کا ہے غروب آفتاب

دہر کے ظلمت کدے کو اس نے یہ بخشا ہے نور
شمس و قمر ہوں یا ستاروں کی تجلی بے حساب

اول بھی وہ آخر بھی وہ ظاہر بھی وہ باطن بھی وہ
قرب اپنا بندوں کو بخشے جو کریں حق کا انتخاب

انبیاء کو ناز اس پہ ناز وہ ان پہ کرے
انبیاء فخرِ زماں ہیں اور خدا عالی جناب

ہے دعا میری کہ اس کی راہ سے نہ دور ہوں
راہ کہ مکمل تجلی محمد مصطفیٰ عزت مآب

(نسیم احمد نسیم)

نعت رسول مقبول

کیا کیا ہیں مجھ غریب پہ احسان یا نبیؐ
سو جان سے میں آپؐ پر قربان یا نبیؐ

دنیا میں پیش آئیں مجھے جتنی بھی مشکلیں
سب آپؐ کے طفیل ہوئیں آسان یا نبیؐ

کتنا ہوں خوش نصیب کہ نسبت ہے آپؐ سے
مجھ کو ملی ہے آپؐ سے پہچان یا نبیؐ

امت کو جو عطا ہوئے انعام بے شمار
ان سب میں ہے عظیم تر قرآن یا نبیؐ

مانا میری خطاؤں کا کوئی انتہا نہیں
بخشش کا میری آپؐ ہیں سامان یا نبیؐ

اے کاش ہو عطا مجھے بھی بطحا کی حاضری!
اے کاش آپؐ کا ہوں مہمان یا نبیؐ!

ہے زندگی کی آخری خواہش بس یہی ضیاء
پڑھتا رہوں درود میں ہر آن یا نبیؐ

(ضیاء قمر فاروقی)



''ذی الحجہ'' اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے۔ اس مہینہ کے پہلے دس دن بہت مبارک اور قیمتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان دس دنوں کو سال کے دیگر ایام پر فضیلت و فوقیت عطا فرمائی ہے کیوں کہ نماز، روزہ، صدقہ، اللہ کا ذکر، قربانی اور حج جیسی عظیم عبادتیں اس میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ قرآن وسنت سے ان ایام کی عظمت وشان ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔''
(الفجر:1-2)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ذوالحجہ کے پہلے دس دن مراد ہیں۔ (تفسیر البغوی 247/5)

اللہ تعالیٰ کا ان راتوں کی قسم کھانا ان کی عظمت وشان پر دلالت کرتا ہے۔ ان دس دنوں میں کیا جانے والا اچھا کام اللہ تعالیٰ کو سال کے باقی دنوں میں کیے جانے والے نیک اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ذی الحجہ کے دس دنوں میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی تمام دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ذی الحجہ میں ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔''
(ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر 758)

یہ دس دن خاص طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اور معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں۔''
(الحج:28)

''معلوم دن سے مراد'' ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ اس لیے ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ذی الحجہ کے دس دنوں میں نیک اعمال کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی تمام دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ تم ان دنوں میں سُبْحَانَ اللہِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ، اَللہُ اَکْبَرُ کی کثرت کرو۔''
(طبرانی کبیر، باب العین، حدیث نمبر 11116)

ان دس دنوں میں یوم عرفہ (9 ذی الحجہ) بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ جاری کرتے ہیں اور اس دن کے روزے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''
(مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام: 1162)

پھر دس ذی الحجہ عید کا دن ہے جس میں قربانی کی جاتی ہے جو اس دن کیے جانے والے اعمال میں سے اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''(ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں ثواب و اجر کے لحاظ سے) نیک عمل 700 گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔''
(شعب الایمان، الصیام، حدیث نمبر: 3481)

پیارے بچو! ذی الحجہ کے یہ دس دن ہمارے لیے ایک خاص تحفہ ہیں جس میں نیک اعمال کر کے ڈھیروں ثواب کمایا جا سکتا ہے۔ ... تو پھر تیار ہو جائیے اور اس موقع کو ضائع مت کیجیے اور خوب نیکیاں کیجیے۔

سخی بادشاہ



ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی ملک میں ایک بزرگ بادشاہ کی حکومت تھی۔ بادشاہ دانا، ہمدرد اور عوام دوست تھا۔ پورے ملک میں بادشاہ کی سخاوت کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ اپنی رعایا کی ہر مصیبت خوشی غمی کو اپنا سمجھتا تھا۔ ہر عام آدمی کو بادشاہ تک رسائی حاصل تھی۔ بادشاہ کے عدل و انصاف اور سخاوت کے چرچے دور ملکوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ لہٰذا عوام بھی بادشاہ سے بہت خوش تھی جس کی وجہ سے ملک میں خوش حالی تھی۔ بادشاہ حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ پر بھی اپنی توجہ مرکوز رکھتا۔ بادشاہ نمازی پرہیزگار اور متقی تھا۔ وہ اپنی ملکی ذمہ داریوں سے فراغت پاتے ہی عبادت میں مشغول ہو جاتا۔ وہ دور دراز علاقوں میں نکل جاتا اور نوافل و تسبیحات وغیرہ میں مشغول ہو جاتا۔ وہیں قیام کرتا اور اجنبی لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا، سب کو دینِ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنے کی تلقین کرتا اور اس کے بعد بوڑھوں، بیواؤں، یتیموں اور لاچاروں کے وظیفے مقرر کرتا۔

ایک دن بادشاہ کے وزیر نے (اس کی سخاوت کو بڑھتا ہوا دیکھ کر) بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت! اگر آپ اسی طرح دونوں ہاتھوں سے خزانہ لٹاتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ان عام لوگوں کی طرح آپ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے آگے اپنا دامن پھیلائیں گے۔ بادشاہ وزیر کی بات سن کر پہلے تو مسکرایا، پھر اس نے جواب دیا کہ دانہ اس وقت تک نہیں اگتا جب تک اسے زمین میں نہ بکھیرا جائے۔ جو شخص سخاوت کا بیج بوتا ہے، وہی بخشش اور بزرگی کی فصل کاٹتا ہے۔ وزیر بادشاہ کی بات سن کر طنزیہ لہجے میں کہنے لگا: ''بادشاہ سلامت وقت اور حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔'' بادشاہ نے جواب دیا: ''کل کیا ہوگا یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات بہتر جانتی ہے۔'' بادشاہ نے وزیر کی نیت کو بھانپ لیا تھا۔

کچھ دن گزر جانے کے بعد بادشاہ نے وزیر کو آزمانے کے لیے کہا: ''میں نے تمہاری باتوں پر بہت غور و فکر کیا ہے۔ واقعی تم ٹھیک کہتے ہو۔ حقیقت میں خزانہ خالی ہو چکا ہے۔ آج اعلان کیا جائے کہ بادشاہ کے پاس ملک چلانے کے لیے کسی قسم کی کوئی رقم خزانہ میں نہیں ہے۔ جو شخص خود کو اس قابل سمجھتا ہے کہ وہ ملک کو بغیر خزانے کے احسن طریقے سے چلا سکتا ہے، اس کی قابلیت کو تسلیم کرنے کے بعد بادشاہ سلامت ملک کی تمام ذمہ داریاں اس عاقل شخص کے حوالے کر کے خود اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائیں گے۔ بادشاہ کے اس فیصلے پر وزیر بہت خوش ہوا۔ اگلے دن ملک بھر میں اعلان کر دیا گیا۔ شہر شہر، گاؤں گاؤں بلکہ بستی بستی یہ پیغام پہنچ

چکا تھا۔ ہر شخص اس سوچ میں گم تھا کہ آخر بادشاہ کو یہ فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس مسئلے کا کوئی اور بھی تو حل ہو سکتا ہے۔

وقت گزرتا گیا مگر ابھی تک کسی شخص نے بادشاہ بننے کی ذمہ داری قبول نہ کی۔ پھر ایک دن بادشاہ نے خود ہی اپنے وزیر سے کہہ دیا کہ میں کچھ دیر کے لیے اپنے خاندان کے ساتھ بیرون ملک جا رہا ہوں، لہٰذا میرے چلے جانے کے بعد اس ملک کے بادشاہ تم ہو گے۔ میں جاتے وقت تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ یاد رہے کہ بادشاہ کی اصل طاقت عوام ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ اس بات کو سمجھے تو وہ عوام کے دلوں پر راج کر سکتا ہے۔ وزیر بادشاہ کی بات سن کر بہت خوش ہوا کیوں کہ وہ برسوں سے اس ملک کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

اصل بادشاہ کے چلے جانے کے بعد اب وزیر ہی سفید و سیاہ کا مالک تھا۔ وزیر نے بادشاہ کا منصب سنبھالنے کے بعد عوام سے خطاب کیا: "جیسا کہ آپ جانتے ہیں ملک کا اصل بادشاہ ملکی خزانے کا بڑی بے دردی سے استعمال کرنے کے بعد رات کے پچھلے پہر کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ اب خزانہ خالی ہے۔ ملک چلانے کیلئے آپ لوگوں کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اگر آپ کے دلوں میں تھوڑی سی بھی ملک کی محبت باقی ہے تو میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر ملک میں بسنے والا ہر شخص صرف گندم کے دانے کے برابر ہی چاندی دے دے تو مجھے یقین ہے کہ ملک اپنے پاؤں پر دوبارہ کھڑا ہو سکتا ہے۔" بادشاہ کی بات سن کر سب نے بلند آواز میں کہا: "یہ ملک ہمارا گھر ہے۔ اگر ملک ہی نہ رہا تو ہماری پہچان بھی مٹ جائے گی۔ ہم سب مل کر یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔"

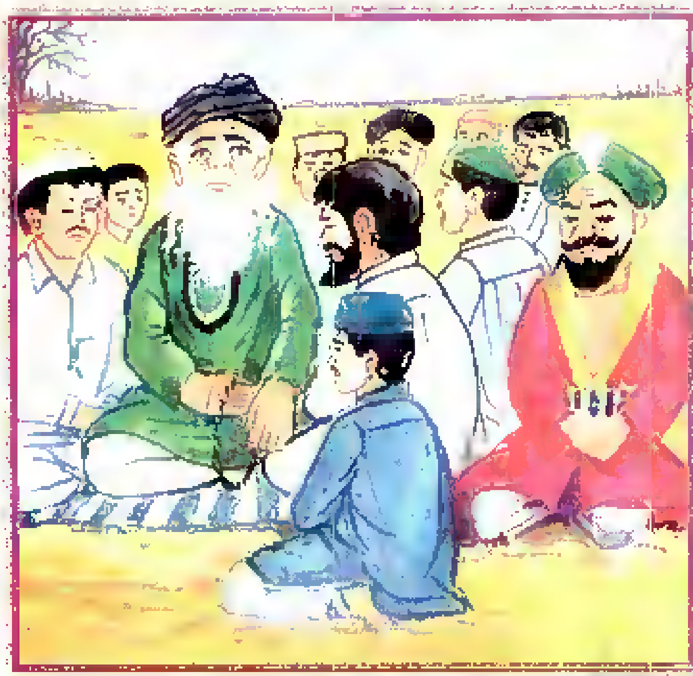
اگلے دن ہر شخص نے اپنے وعدے کے مطابق چاندی لانا شروع کر دی۔ شام ہونے تک بادشاہ کے سامنے چاندی کا بہت بڑا ڈھیر لگ چکا تھا۔ اب بادشاہ کا دل چاندی دیکھ کر باغ باغ ہو رہا تھا۔ پھر بادشاہ نے چاندی کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر قہقہہ لگایا اور کہا: "بادشاہ تم ٹھیک ہی کہتے تھے کہ بادشاہ کی اصل طاقت عوام ہی ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ اس طاقت کا استعمال عقل سے کرے تو بادشاہ کے لیے عوام کو بے وقوف بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔"

اس کے بعد بادشاہ نے لوگوں کو مختلف طریقوں سے لوٹنا شروع کر دیا۔ اس کے جاسوس گلی کوچوں میں گشت کرتے رہتے، اگر انہیں کسی کے پاس کوئی قیمتی چیز یا جانور نظر آتا تو جاسوس اس آدمی پر کوئی جرم ثابت کرنے کے بعد اس سے وہ چیز چھین لیتے۔ یوں وہ شخص اپنی سواری اور جمع پونجی سے محروم ہو جاتا۔ اگر وہ شخص شکایت لے کر بادشاہ کے پاس جاتا تو اسے وہاں سے بھی سوائے ذلت کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے اپنے محل کے مرکزی دروازے سے زنجیر عدل بھی اُتار دی۔ لوگوں کا بادشاہ تک پہنچنے کا عام اور فوری ذریعہ بھی ختم ہو گیا۔ یوں بادشاہ اور عوام کے درمیان دُوریاں بڑھتی چلی گئیں۔ آخر کار لوگوں نے بادشاہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ملک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملک میں بسنے والوں کی تعداد میں کمی ہو چکی تھی۔ یوں آباد زمینیں بنجر ہو گئیں۔ باغات خشک ہو گئے۔ ملک میں اناج کا بحران تیزی سے پھیلنے لگا۔ ملک سے حاصل ہونے والی آمدنی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ بادشاہ کو ملک کا نظام چلانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس طرح بادشاہ اپنے بنے ہوئے جال میں بُری طرح پھنس چکا تھا۔

اب بادشاہ کے چند وزیر باقی بچے تھے مگر ایک ایک کر کے وہ بھی بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ بادشاہ زیادہ دنوں تک بھوک برداشت نہ کر سکا تو اس نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ بادشاہ نے جب محل سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا تو اسے آسمان خالی خالی نظر آیا۔ دُور دُور تک پرندوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شہر ویرانیوں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ بادشاہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کئی میل پیدل چلا مگر اسے کھانے کے لیے کچھ نہ ملا۔ تھک ہار کر بادشاہ آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر عرض کرنے لگا: "اے میرے مالک و رازق! میں بہت گنہگار ہوں، میں آخرت کو بھول کر دنیا کے عیش و عشرت میں غرق ہو گیا اور اپنے نفس کی خواہش کی خاطر میں نے تجھے اور تیری مخلوق کو ناراض کیا۔ اے میرے مالک! ایک شرم سار مجرم کو اپنی رحمت کے وسیع دامن میں پناہ دے دے۔ میں تیری طرف لوٹ رہا ہوں تو اپنی پاک و بلند بارگاہ میں ایک فریادی کی پکار سن لے۔ میں ہر طرف سے مایوس ہو چکا ہوں، اب تجھ سے رجوع کر رہا ہوں۔ تو میری پچھلی خطائیں معاف فرما دے۔

جیسے ہی بادشاہ نے دعا مکمل کی اسے دور ایک قافلہ نظر آیا۔ بادشاہ نے قافلے کو دیکھ کر سکھ کا سانس لیا کیوں کہ وہ کئی دن سے بھوک و پیاس کی شدت برداشت کر رہا تھا۔ بادشاہ نے قافلے کے



پاس پہنچ کر سوال کیا کہ آپ لوگ کہاں جارہے ہیں، قافلے کے سردار نے جواب دیا: "ہم جس ہستی کے پاس جارہے ہیں، اس ہستی کا کوئی ایک نام ہو تو بتائیں! کوئی اسے سخی کہتا ہے تو کوئی اسے گنج بخش۔ سنو اجنبی! تم بھی ہمارے ساتھ چلو، کافی پریشان لگتے ہو۔ آج تک اس کی چوکھٹ سے کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ بادشاہ نے کہا: "تو ٹھیک ہے، میں بھی اس نیک ہستی کو اپنی کہانی سناؤں گا۔ اس نیک ہستی کی قربت میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو ضرور اللہ تعالیٰ میری پچھلی خطاؤں کو معاف فرمادے گا۔"

صحرا عبور کرنے کے بعد جب قافلہ اپنی منزل پر پہنچا تو بادشاہ ویرانے میں ہزاروں لوگوں کا ہجوم دیکھ کر حیران ہوگیا۔ جیسے ہی بادشاہ نے آگے قدم بڑھایا تو ایک شخص بادشاہ کے پاس دوڑتا ہوا آکر کہنے لگا: "بزرگ آپ کا حجرے میں انتظار کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے سمجھا شاید یہ کسی اور کو کہہ رہا ہے مگر جب اس شخص نے دوبارہ کہا، حضور میں آپ سے مخاطب ہوں تو پھر بادشاہ کو یقین ہوا کہ اس بزرگ ہستی کا پیغام میرے لئے ہی ہے۔ چلتے چلتے جب بادشاہ حجرے کے قریب پہنچا تو وہاں حاجت مندوں کی لمبی قطار دیکھ کر اسے یقین ہوگیا کہ واقعی یہ تو کسی اللہ والے کی درگاہ ہے۔ دوسری طرف حاجت مند نذر و نیاز حاصل کرنے کے بعد دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہورہے تھے۔ بادشاہ ہجوم کو چیر کر آگے بڑھا تو اس نے بزرگ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ تو وہی بزرگ بادشاہ ہے جس نے اپنی حکومت میرے حوالے کرنے کے بعد خود رات کے پچھلے پہر اپنے خاندان کے ساتھ روپوش ہوگیا تھا۔ بزرگ بادشاہ خیرات تقسیم کرنے کے بعد لوگوں کو درس دینے میں مشغول ہوگیا۔ بادشاہ بھی وہاں بیٹھ کر درس سننے لگا۔ بزرگ بادشاہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اگر کوئی شخص اپنے زر خریدے ہوئے غلام پر مہربانی نہیں کرے گا تو وہ غلام ایک دن اپنے مالک کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بھاگنے کی کوشش کرے گا یا گھٹ گھٹ کر مر جائے گا۔ بادشاہ گھر کے سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے اور رعایا اس کی اولاد۔ اگر گھر کا سربراہ اپنی اولاد پر مہربانی نہیں کرے گا تو ایک دن وہی گھر ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ پھر بادشاہ کو بزرگ بادشاہ کا قول یاد آنے لگا کہ جو شخص سخاوت کا بیج بوتا ہے، وہی بخشش اور بزرگی کی فصل کاٹتا ہے۔ اب بادشاہ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھیں سیلاب کی طرح بہنے لگیں۔ پھر ہچکیاں لیتے ہوئے ایک تاریک گوشے میں جا کر رونے لگا اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوسنے لگا۔ آخر کار شرمندگی کے مارے بادشاہ نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ واپس جانے لگا تو اسے پیچھے سے آواز آئی: "گھبراؤ مت ہم نے تمہارے دل کی آواز سن لی ہے۔ میرے دامن میں اپنی بھیگی پلکوں کے آنسو جذب کرلو۔ یہاں دنیا کے ٹھکرائے ہوئے غم زدوں کو پناہ ملتی ہے۔ آنے والے کا دامن بھر جاتا ہے اور ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔" اس کے بعد بادشاہ، بزرگ بادشاہ کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ پھر بزرگ بادشاہ نے کہا: "آنسو پونچھ لو، باہر میدان میں تمہارے وطن کے باسی وطن واپس جانے کے لیے بڑی بے صبری سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اب کی بار یاد رہے کہ بادشاہ کی اصل طاقت عوام ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ اس بات کو سمجھے تو پھر وہ ہمیشہ عوام کے دلوں پر راج کرسکتا ہے۔"

☆☆☆

منظور آفاقی



...اور دُعا قبول ہوگئی

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ مکہ مکرمہ میں عبداللہ نامی ایک تاجر رہتا تھا۔ اس نے اپنا کاروبار معمولی سرمائے سے شروع کیا تھا، لیکن رات دن کی محنت اور لگن سے اس کا کاروبار ترقی کرنے لگا۔ قدرت بھی اس پر مہربان ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کاروبار ملک کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ چند سالوں میں اس کا شمار ملک کے اونچے درجے کے تاجروں اور سیٹھوں میں ہونے لگا۔

دشمن دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے، یعنی اس کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ آج ہے تو کل نہیں ہے۔ یہی معاملہ عبداللہ کے ساتھ بھی ہوا۔ اس کی تجارت کو کسی کی نظر لگ گئی۔ اسے آئے دن نفع کے بجائے نقصان ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لاکھوں کروڑوں میں کھیلنے والا شخص کوڑی کوڑی کا محتاج ہوگیا۔ اس کی جائیداد نیلام ہوگئی، جمع پونجی قرض خواہ لے اُڑے، غرض عرش پر اُڑنے والا فرش پر آن گرا۔

ایک دن عبداللہ روزگار کی تلاش میں نکلا۔ ایک گلی سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ایک ہار پر پڑی جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے لپک کر اسے اُٹھا لیا۔ وہ ایک نفیس اور قیمتی ہار تھا۔ اس نے سوچا کہ قدرت نے اس کی مدد کی ہے۔ اس ہار کو فروخت کر کے وہ چند دن آرام سے گزار سکے گا، لیکن جلد ہی اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ وہ اس ہار کے مالک کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ اس کی گم شدگی پر کتنا پریشان ہوگا۔ عبداللہ نے عہد کیا کہ وہ اس کے مالک کو تلاش کرنے اس کی امانت اس کے حوالے کر دے گا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک فضا میں حرم کعبہ سے بلند ہوتی ہوئی ظہر کی اذان کی آواز گونجی۔ اس نے اپنا رخ اللہ کے گھر کی طرف پھیر لیا۔ وہاں جا کر اس نے وضو کیا اور نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کی۔ وہ نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس نے ایک اعلان سنا۔ کوئی شخص کہہ رہا تھا۔

"بھائیو! میرا ایک قیمتی ہار کہیں گر گیا ہے۔ اگر کسی کو مل جائے تو مجھے اطلاع کرے، اللہ کا اس پر کرم ہو۔" عبداللہ نے یہ اعلان سنا تو چونکا۔ اس نے اعلان کرنے والے شخص کو اشارے سے اپنی طرف بلایا اور اس سے پوچھا: "کیا آپ اپنے گم شدہ ہار کی کچھ علامات بتا سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں جی، کیوں نہیں، یہ رہیں اس کی علامتیں۔" یہ کہہ کر اس نے ہار کی نشانیاں بتانا شروع کر دیں۔ عبداللہ نے محسوس کیا کہ یہ شخص صحیح صحیح علامتیں بتا رہا ہے اور یہی اس ہار کا

مالک ہے۔ اس نے جھٹ اپنی جیب سے ہار نکالا اور اس کے مالک کی طرف اُچھال دیا۔ مالک نے اپنے ہار کو پہچان لیا۔ اسے چوما پھر عبداللہ کے ہاتھ چومے، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کے حق میں ڈھیروں دعائیں کیں۔ عبداللہ نے کہا کہ اس نے اس ہار کو امانت سمجھ کر اُٹھایا تھا۔ اب اسے اس کے مالک کے حوالے کر کے اسے بھی اتنی ہی خوشی محسوس ہو رہی ہے جتنی اس کے مالک کو اپنی گم شدہ چیز کو پا کر ہو رہی ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ اس نے ہار کے مالک کے سامنے اپنی تنگ دستی کا بھی ذکر کر دیا اور اس سے تھوڑی سی مالی مدد مانگی۔ ہار کے مالک نے شائستگی سے جواب دیا: "میرے محسن! میں ایک پردیسی ہوں۔ میں ایک لمبا سفر کر کے عمرہ کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ میرے پاس صرف اتنی رقم ہے جس سے میں بمشکل واپسی کا سفر کر سکوں گا۔ اگر میری مالی حالت بہتر ہوتی تو میں آپ کی ضرور مدد کرتا لیکن کیا کروں کہ میں اس وقت خود مجبور ہوں۔ میرے پیارے! محسوس نہ کرنا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیکی کا صلہ عطا فرمائے جو آپ نے میرے ساتھ کی ہے۔"



عبداللہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "ہاں دوست! اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی اور راستہ نکال دے گا۔" حرم شریف سے نکل کر عبداللہ نے گھر کی راہ لی۔ آج بھی وہ خالی ہاتھ گھر لوٹا تھا۔

عبداللہ کے چند مخلص دوستوں نے اسے رائے دی کہ وہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر کسی اور شہر میں جا کر قسمت آزمائی کرے، ممکن ہے کہ اسے پردیس میں روزگار مل جائے اور اس کے حالات سنور جائیں۔ اس نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ سفر کی تیاری کی اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ چند دن کے مشکل سفر کے بعد وہ ساحل سمندر پر پہنچا۔ خوش قسمتی سے اسے ایک تیار کشتی مل گئی۔ وہ اس پر سوار ہو گیا۔ جب مسافروں کی تعداد پوری ہوئی تو کشتی چل پڑی۔ عبداللہ کو کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کی منزل کہاں ہے اور اس نے کہاں اُترنا ہے۔ سفر کا پہلا دن تو خیریت سے گزر گیا لیکن دوسرے دن کشتی کو سمندری طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ بیس بیس فٹ اونچی موجیں اُٹھ رہی تھیں۔ ان کے درمیان کشتی بے چاری ایک معمولی تنکے کی مانند دکھائی دیتی تھی۔ اس افراتفری کے عالم میں وہ ایک سمندری چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ عبداللہ نے پھرتی سے ایک تختے کو پکڑ لیا اور اس پر بیٹھ کر اپنی جان بچائی۔ یہ تختہ موجوں پر تیرتا ہوا ایک جزیرے کے کنارے جا لگا۔ عبداللہ نے ساحل پر چھلانگ لگا دی اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس کی جان سلامت رہی۔

اس جزیرے پر ایک شہر آباد تھا۔ عبداللہ وہاں کے لوگوں سے ملا۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اس نے مسجد کا پتا پوچھا تو ایک نیک آدمی نے اس کو

ہاتھ پکڑا اور مسجد کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا اور خانہ خدا میں داخل ہو گیا۔ اس نے شکرانے کے نوافل ادا کیے اور مستقل طور پر مسجد ہی میں رہنے لگا۔ اہلِ محلہ نے پردیسی سمجھ کر اس کے کھانے پینے کا بندوبست کیا اور ان کی چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری کرنے لگے۔ اس کا زیادہ تر وقت عبادت اور تلاوت میں گزرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خوش آوازی بخشی تھی۔ اس کی تلاوت سن کر لوگ بے حد متاثر ہوتے تھے۔ ایک دن ایک معزز آدمی نے اس سے پوچھا: ''کیا آپ بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم بھی دے سکتے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''جی ہاں جناب!'' چنانچہ اسے محلے کے لوگوں نے اپنے بچوں کا اُستاد مقرر کر دیا اور اس کے لیے معقول تنخواہ مقرر کر دی۔ مسجد کے خطیب نے اس میں قابلیت کا جوہر دیکھا تو اسے اپنا نائب بنانے کی خواہش کا اظہار کیا، اہلِ محلہ نے بھی خطیب صاحب کی تائید کی، اس طرح اسے ایک باوقار منصب مل گیا اور اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔

ابھی کچھ ہی مدت گزری تھی کہ خطیب صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد عبداللہ نے مسجد کے سارے اختیارات خود سنبھال لیے اور وہاں ایسا نظام قائم کیا کہ مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہ رہی بلکہ ایک معیاری درس گاہ بھی بن گئی جہاں چھوٹے بڑے سب تعلیم پانے اور اسلامی آداب سیکھنے لگے۔

ایک دن محلہ کا ایک نہایت ہی قابلِ احترام شخص عبداللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''پچھلے دنوں ہمارے ایک متقی پرہیزگار دوست فوت ہو گئے ہیں۔ ان کے پس ماندگان میں صرف ایک بیٹی ہے جو غیر شادی شدہ ہے۔ مرحوم نے مجھے وصیت کی تھی کہ ان کی بیٹی کا نکاح کسی نیک آدمی کے ساتھ کر دینا۔ مجھے اس کارِ خیر کے لیے آپ ہی موزوں نظر آتے ہیں۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو میں آپ کے لیے کوشش کروں۔'' عبداللہ نے جواب دیا: ''نیکی اور پوچھ پوچھ؟ حضرت! ضرور کوشش کریں۔'' الغرض اہلِ محلہ کے تعاون سے عبداللہ کا نکاح نہایت سادگی سے کر دیا گیا اور دلہن کی رخصتی بھی فوری طور پر ہو گئی۔ جب دلہا نے دلہن کا گھونگھٹ اُٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے گلے میں وہی ہار چمک دمک رہا تھا جو اسے مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں پڑا ہوا ملا تھا۔ اس نے نہایت تعجب سے پوچھا: ''بیگم جان! آپ کے پاس یہ ہار کیسے پہنچا؟'' دلہن بولی:

''میرے بابا جان عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ گئے تھے۔ وہاں انھوں نے میرے لیے یہ ہار خریدا تھا۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ ایک دن یہ ہار گم ہو گیا تھا جس سے وہ بہت پریشان ہوئے تھے۔ انھوں نے حرم پاک میں اس کی گم شدگی کا اعلان کیا جسے سن کر ایک نیک دل اور دیانت دار نوجوان نے یہ ہار لا کر ان کے حوالے کیا تھا۔ بابا جان اس جوان کے حق میں بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے مجھے کہا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ تجھے بھی مکہ کے اس نیک اور دیانت دار جوان جیسا خاوند عطا فرمائے۔''

دلہا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس نے فرطِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''اری نیک بخت! آپ کے بابا جان کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ مکہ مکرمہ کے جس جوان کو یہ گم شدہ ہار ملا تھا اور اس نے اسے اس کے مالک تک بحفاظت پہنچایا تھا، وہ میں ہی تو تھا۔''

سچ ہے نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کا صلہ ایک نہ ایک دن ضرور ملتا ہے، خواہ دُنیا میں، خواہ آخرت میں۔ (عربی ادب سے ماخوذ)

مُفسداتِ نماز کا بیان

مفسداتِ نماز ان چیزوں کو کہتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، یعنی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اسے لوٹانا ضروری ہو جاتا ہے۔ مفسداتِ نماز یہ ہیں: ۱۔ نماز میں کلام کرنا، چاہے قصداً ہو یا بھول کر، تھوڑا ہو یا بہت، ہر صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ ۲۔ سلام کرنا یعنی کسی شخص کو سلام کرنے کے قصد سے سلام یا تسلیم یا السلام علیکم یا اس جیسا کوئی لفظ کہہ دینا۔ ۳۔ سلام کا جواب دینا یا چھینکنے والے کو یرحمک اللہ یا نماز سے باہر والے کسی شخص کی دعا پر آمین کہنا۔ ۴۔ کسی بُری خبر پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا یا کسی اچھی خبر پر الحمد للہ کہنا یا کسی عجیب خبر پر سبحان اللہ کہنا۔ ۵۔ درد یا رنج کی وجہ سے آہ یا اُف کرنا۔ ۶۔ اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دینا یعنی قرأت بتانا۔ ۷۔ قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا۔ ۸۔ قرآن مجید پڑھنے میں کوئی سخت غلطی کرنا۔ ۹۔ عملِ کثیر کرنا یعنی کوئی ایسا کام کرنا جس سے دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ ۱۰۔ کھانا پینا قصداً ہو یا بھولے سے۔ ۱۱۔ دو صفوں کی مقدار کے برابر چلنا۔ ۱۲۔ قبلے کی طرف سے بلا عذر سینہ پھیر لینا۔ ۱۳۔ ناپاک جگہ پر سجدہ کرنا۔ ۱۴۔ ستر کھل جانے کی حالت میں ایک رکن کی مقدار ٹھہرنا۔ ۱۵۔ دعا میں ایسی چیز مانگنا جو آدمیوں سے مانگی جاتی ہے مثلاً یا اللہ مجھے آج سو روپے دے دے۔ ۱۶۔ درد یا مصیبت کی وجہ سے اس طرح رونا کہ آواز میں حروف ظاہر ہو جائیں۔ ۱۷۔ بالغ آدمی کا نماز میں قہقہہ مار کر یا آواز سے ہنسنا۔ ۱۸۔ امام سے آگے بڑھ جانا وغیرہ۔ ☆☆



داؤدی علمی آزمائش

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ چوتھے کلمے کا کیا نام ہے؟

i۔ کلمہ تمجید　ii۔ کلمہ توحید　iii۔ کلمہ شہادت

2۔ قرآن کریم میں صلح حدیبیہ کو کس نام سے تعبیر کیا گیا ہے؟

i۔ فتح مکہ　ii۔ فتح مبین　iii۔ فتح الفتوح

3۔ سینٹی گریڈ تھرمامیٹر میں انسان کا درجہ حرارت کتنا ہوتا ہے؟

i۔ 30 سینٹی گریڈ　ii۔ 36 سینٹی گریڈ　iii۔ 40 سینٹی گریڈ

4۔ عراق کا قدیم نام کیا تھا؟

i۔ تہران　ii۔ میسوپوٹیمیا　iii۔ فارس

5۔ علامہ اقبال نے اپنی کس کتاب میں خوش حال خاں کی وصیت کو نظم کیا ہے؟

i۔ بال جبریل　ii۔ ضرب کلیم　iii۔ بانگ درا

6۔ یہ شعر کس کا ہے؟

جس نجومی نے کہا تھا کہ یہ سال اچھا ہے ......
اس کو رفتار میرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں

i۔ احمد فراز　ii۔ قتیل شفائی　iii۔ ناصر کاظمی

7۔ قرآنی خطاطی کے لیے کس پاکستانی مصور نے خط کمال ایجاد کیا؟

i۔ شفیق فاروقی　ii۔ اسلم کمال　iii۔ عبدالرحمٰن چغتائی

8۔ آئس ہاکی میں استعمال ہونے والی گیند کو کیا کہا جاتا ہے؟

i۔ Pock　ii۔ Puck　iii۔ Pluk

9۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا لقب کیا ہے؟

i۔ بری امام　ii۔ وارث النبی فی الہند　iii۔ بوعلی قلندر

10۔ بابائے اُردو کس کو کہا جاتا ہے؟

i۔ مولوی عبدالحق　ii۔ مولانا الطاف حسین حالی　iii۔ سرسید احمد خان

جوابات علمی آزمائش ستمبر 2014ء

1۔313　2۔سلام　3۔قرطبہ　4۔بیت المقدس شریف　5۔جمعہ آتے ہوئے　6۔بحر اوقیانوس　7۔الٹی یا الٹی کا دست　8۔سندھ　9۔نوٹ بک　10۔شاہ جو رسالو

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ مشتاق فاطمہ، راول پنڈی　(150 روپے کی کتب)
☆ کنول شہزادی، کاموکی　(100 روپے کی کتب)
☆ عبدالرحیم شریف، میاں والی　(90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بذریعہ قرعہ اندازی:

ہمایوں رشید، اسلام آباد۔ فتح محمد شارق، خوشاب۔ محمد شاداب صابر، لاہور۔ صداقت علی، لاہور۔ حافظ محمد حبیب، وزیر آباد۔ محمد انس نورانی، گوجرانوالہ۔ عثمان بن راحیل، اسلام آباد۔ محمد شکیب مسرت، بہاول پور۔ صبیح الحسن، سیال کوٹ۔ رانا شوکت، فیصل آباد۔ عبدالجبار انصاری، لاہور۔ عبداللہ شیخ، شیخوپورہ۔ انیقہ فجر، میرپور آزاد کشمیر۔ حفصہ اعجاز، صوابی۔ ردا فاطمہ، گوجرانوالہ۔ محمد عبداللہ ثاقب، پشاور۔ زونیرہ ہارون، نوشہرہ۔ نخیہ مریم، لاہور۔ عشرہ امین، لاہور۔ منیبہ جوہر، فیصل آباد۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ محمد طیب اشرف اعوان، لاہور۔ سحر خان، کراچی۔ مہر اکرم، لاہور۔ حمزہ ہمدان، لاہور۔ زینب ارشد لودھی، سیال کوٹ۔ احمد علی، لاہور۔ عبدالرحمٰن ندیم، گوجرانوالہ۔ حافظ ثنا عروج، فیصل آباد۔ عبداللہ شاد، دریا خان۔ روحین زمان، کرک۔ خضر جمال، میاں والی۔ احمد یار، لاہور۔ معیز اعتزاز، اٹک۔ ذاکرہ نوید ملک، لاہور۔ سعید توقیر، کراچی۔ عظیہ نور، سیال کوٹ۔ رانا بلال احمد، بھکر۔ تحریم فاطمہ، لاہور۔ ریان شیخ، حیدرآباد۔ فاطمہ صغیر، منڈی بہاؤالدین۔ فرحین امین، گوجرانوالہ۔ اخلاق احمد، سمندری۔ محمد مجیر خان، بھکر۔ عائشہ فاطمہ، گوجرانوالہ۔ ذیشان احمد صدیقی، میاں والی۔ عریبہ آفتاب، کراچی۔ مرزا اسفار بیگ، حیدرآباد۔ ملک محمد سلمان، راول پنڈی۔ ثمرہ طارق بٹ، گوجرانوالہ۔ محمد حذیفہ سلیم، لاہور۔ مقبول احمد، ٹیکسلا۔ کومل صادق چوہدری، گوجرانوالہ۔ ثمیر محمود، اوکاڑہ۔ محمد ذبیر عبداللہ، شیخوپورہ۔ تنزیل الرحمٰن، گجرات۔ اسد اکرم، فیصل آباد۔



اَلْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهٗ (جمع کرنے والا)

اَلْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهٗ تمام فضائل کو جمع کرتا ہے اور اچھے اعمال اور اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔

الحمد للہ! ہم سب مسلمان ہیں اور ہمارا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سارے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرما کر ایک جگہ جمع فرمائیں گے۔ کافر لوگ اس بات کو ماننے سے انکار کر دیتے تھے۔ آج بھی بے چارے کافر یہ حیرت سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگا!!

کوئی آدمی سمندر اور دریا میں ڈوب کر مر جاتا ہے۔ ... جو مٹی میں دفن ہوتے ہیں وہ مٹی میں مٹی ہو جاتے ہیں ... جو قبرستان دریاؤں کے کنارے تھے، وہ مٹی تو پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے۔ یہ کیسے ہوگا کہ وہ انسان دوبارہ زندہ ہو جائے گا اور کوئی اسے ایک جگہ جمع کرے گا۔

قرآن کریم نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

وہ اللہ جس نے سب کو بغیر نمونے کے پیدا فرمایا، پہلے کسی کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اب یہ مر گیا اور مٹی میں گھل مل گیا اور اس کے ذرے ذرے ہو گئے اور جگہ جگہ پھیل گئے۔ اب اس کا وجود تو ہے نا!

اب اللہ تعالیٰ کے لیے کیا مشکل ہے جس نے پہلے بغیر کسی مثال اور نمونے کے زندہ فرمایا اب نمونہ اور ذرات تو موجود ہیں نا، اب دوبارہ زندہ فرمانا کیا مشکل ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے اور زیادہ آسان ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ایک مبارک نام ''اَلْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا جو ہم پڑھتے ہیں۔

''اے ہمارے رب! تو تمام انسانوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔''

تلاش گم شدہ

سلیم صاحب بہت پریشان تھے۔ عاقب کی والدہ آصفہ رو رو کر ہلکان ہو چکی تھیں۔ سات سالہ عاقب دو گھنٹے سے لاپتا تھا۔ وہ باہر کھیلنے کے لیے نکلا تھا مگر ابھی تک واپس نہیں آیا۔

سردیوں کی چھٹیاں گزارنے عاقب اپنے ماموں کے گھر آئے ہوئے تھے۔ سب محلے کے بچے بہت زیادہ غمگین ہو چکے تھے کہ ان کا مہمان دوست عاقب گم ہو گیا تھا۔

بیٹا! آ جاؤ۔ باہر مت جاؤ۔'' بلال کی امی نے اسے باہر جانے

سے منع کیا۔

"امی! عاقب کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔"

"نہیں! تم آ جاؤ، تمہارے بڑے بھائی طلحہ چلے جائیں گے، تم یہیں بیٹھو۔"

امی کی ڈانٹ سن کر وہ گھر کے کونے میں خاموشی سے بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں عاقب کے ملنے کے لیے دعائیں کرنے لگا۔

"انکل! مسجد میں اعلان کروا دیں۔" حمزہ نے ماہرانہ رائے دی۔

"نہیں انکل! ہمارے استاد صاحب نے بتایا ہے کہ اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو مسجد میں اعلان نہیں کروانا چاہیے کیوں کہ فرشتہ بددعا دیتا ہے کہ تیری گم شدہ چیز تجھے نہ ملے۔"

"اعلان نہ کروائیں ہم خود تلاش کر لیتے ہیں۔" طیب نے ناصحانہ انداز میں کہا، پھر طیب اور تنزیل گراؤنڈ کے ساتھ کھیتوں کی طرف بڑھے۔ جب کہ محلے کے بچے شہر کے چاروں طرف پھیل گئے۔

"طیب! ایسا کرتے ہیں ہم وہ دعا پڑھ لیں جو گم شدہ چیز واپس ملنے کے لیے سر زاہد نے ہمیں سکھائی ہے۔" تنزیل نے کہا۔

"دوست! میں اس دن اسکول ہی نہیں آیا تھا، مجھے تو یاد نہیں ہے۔" طیب نے جواب دیا۔

"دیکھو! اسکول سے ناغہ کرنے کا کتنا بڑا نقصان ہے۔"

"بس آئندہ خیال رکھوں گا۔ وہ دعا تم مجھے بھی سکھا دو۔" طیب نے تنزیل کا جواب دیتے ہوئے کہا، تنزیل اسے دعا پڑھانے لگا۔

دعا پڑھ کر کھیت کے آخری کنارے کے ساتھ نئی تعمیر ہونے والی آبادی "ماڈل کالونی" تک پہنچ چکے تھے۔

"پتا نہیں کس کا بچہ ہے؟" دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

"جی انکل! وہ بچہ ہمارا بھائی ہے۔ وہ گھنٹے سے گم ہے۔" طیب نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

ایک آدمی نے جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا۔ عاقب ایک بوڑھے بابے کی جھونپڑی میں ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی پر بہت خوف زدہ بیٹھا ہوا تھا۔

"بابا جان! یہاں تک کیسے پہنچا......؟" تنزیل نے پوچھا۔

"بیٹا! یہ کب سے اِدھر اُدھر بھٹکتا ہوا رو رہا تھا۔ مجھے لگا کہ یہ راستہ بھول گیا ہے، میں نے اس کے محلے کا پوچھا تو یہ نہ بتا سکا۔ میں نے گھر سے کھانا کھلایا اور پانی پلانے کی کوشش کی مگر یہ انکار کرتا رہا۔ میں اپنے بیٹے کا انتظار کر رہا ہوں کہ وہ آئے اور اس بچے کے بارے میں کچھ کرے مگر اس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ اچانک اسپتال چلا گیا۔"

بابا نے انہیں ساری روداد بتائی۔ اتنی دیر میں بابا کا بڑا بیٹا آ گیا۔

"تمہیں اپنے گھر کا فون نمبر معلوم ہے؟"

"جی!" بابا کے پوچھنے پر طیب نے جواب دیا اور تھوڑی دیر بعد عاقب کے والد سلیم اور اس کے ماموں افتخار صاحب آ پہنچے۔

☆☆

عاقب کو دیکھتے ہی آصفہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"کہاں تھا میرا لعل؟"

"آنٹی! یہ راستہ بھول گیا تھا، ماڈل کالونی میں تھا۔"

"اوہو! اتنی دور بیٹا کیسے پہنچے تم وہاں پر!!" ماں نے روتے روتے پوچھا۔ عاقب چپ چاپ خوف زدہ کھڑا تھا۔

"تمہیں کیسے ملا؟" آصفہ نے پوچھا۔

"ایک دعا نے ملایا۔" طیب اور تنزیل نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں! آنٹی ہم ایک دعا پڑھ کر عاقب کو تلاش کرنے لگے۔ ہمارے استاد زاہد صاحب نے بتایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور یہ دعا مانگ لے تو اللہ تعالیٰ گم شدہ چیز کو لوٹا دیتے ہیں۔"

ترجمہ: اے ہمارے رب! آپ یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والے ہیں۔ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اے اللہ! اے لوگوں کو جمع کرنے والے اس دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ مجھے اور میرے مال کو جمع فرما دیجئے۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

"اس دعا کی برکت سے ہمارا بیٹا عاقب واپس ملا ہے۔" ابو نے کہا۔

"اے اللہ تعالیٰ! آپ کا شکر ہے آپ نے ہمیں اپنے عاقب کے ساتھ جمع کر دیا۔" امی نے شکر ادا کیا تو سب مل کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگے۔

پیارے بچو! ہمیں چاہیے کہ ہم نیکیاں کریں اور جو کام اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہوں ان کو کرنے سے بچیں تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب سب لوگوں کو جمع کریں گے تو ہم کامیاب لوگوں میں سے ہوں۔ ☆☆



میں بہت چھوٹا تھا جب میرے باپ کا انتقال ہو گیا۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسی لیے والدین کی خوب شفقتیں اور محبتیں سمیٹیں۔ میری بیوہ ماں نے مجھے بہت محبت سے پالا۔ صرف میری خاطر لوگوں کے گھروں میں کام کیا اور بیوہ عورت ہونے کے باوجود حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ میری ماں نے دُنیا کی ہر خوشی اور نعمت میرے سامنے ڈھیر کر دی۔

جب میں پانچ سال کا ہوا تو مجھے اسکول میں داخل کروا دیا۔ میری ماں کی ایک آنکھ تھی اور وہ میرے اسکول کی کینٹین میں ملازمہ تھی۔ میں اپنی ماں کی شکل سے نفرت کرتا اور اسے حقارت سے دیکھتا تھا لیکن ماں پھر بھی اپنی شفقت نچھاور کرتی رہی۔ میں جب اسے دیکھ کر غصے سے تلملاتا تو اس بات سے بے خبر ہوتا کہ میری ماں کے دل پر کیا گزرتی ہو گی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑتے اور وہ آہستگی سے دوپٹے کے پلو سے انہیں صاف کر دیتی۔ کبھی کبھار وہ میری خیریت معلوم کرنے کلاس میں بھی آ جاتی تھی۔ میرے ہم جماعت میرا اور میری ماں کا مذاق اُڑاتے تو میں بہت شرمندگی محسوس کرتا۔ آخر ایک دن میرے ایک ہم جماعت نے مجھے کہہ ہی دیا۔

"یار تمہاری ماں کی تو ایک آنکھ ہے۔" اور ساتھ ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ میرا دل چاہا زمین پھٹے اور میں اس میں دھنس جاؤں۔ اب یہ سب میری برداشت سے باہر تھا۔ میں اپنی ماں سے لاپروائی برتتا رہا اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میرے دل میں ماں سے نفرت کا جنون ایسا پروان چڑھا کہ ایک دن میں نے اپنی ماں کو کھری کھری سنا دی۔

"ماں میں تیری وجہ سے اسکول میں مذاق بنا ہوا ہوں، تو میرے پاس مت آیا کر۔ تو میری جان بخش دے اور میرا پیچھا چھوڑ دے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیوں بیٹا؟" ماں کے چہرے پر حیرت اور گھبراہٹ سے ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

"ہاں! سب میرا مذاق اُڑاتے ہیں کہ تمہاری ماں کی ایک آنکھ ہے اور کتنی بدصورت لگتی ہے۔" میں نے ماں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ماں تو چلی جا یہاں سے۔ میں تیرے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔" میں ناسمجھی میں بگڑے ہوئے نواب کی طرح ماں کو تو کر کے ہی مخاطب کیا کرتا تھا۔ ادب اور احترام جیسے مجھے چھو کر نہ گزرا تھا۔

"میرے کلیجے کے ٹکڑے! میں تجھ سے کیسے دور رہ سکتی ہوں۔ تو تو میرے دل کا سکون ہے، تو ہی میری کل کائنات ہے۔"

میرے نشتر جیسے الفاظ نے میری ماں کا دل کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ وہ میری خوشی ہی میں خوش تھی اور چپکے سے سر جھکائے اُٹھی اور گھر کے کام کے لیے چل دی۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا اور میں نے تعلیم مکمل کر لی۔ مجھے وظیفہ ملا تو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے چلا گیا۔ وہاں سے واپس آ کر میں نے ایک ادارے میں ملازمت اختیار کی اور شادی بھی کر لی۔ اس دوران میں نے اپنی ماں کی خبر تک نہ لی۔ شادی کے بعد میں اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ کر دُور کسی علاقے میں الگ گھر میں رہنا شروع کر دیا۔ پھر ایک دن میری ماں میرے گھر تک آ پہنچی۔ اسے میری شادی اور بچوں کا علم نہ تھا۔

بچوں نے دروازہ کھولا تو میری ماں گھر کے دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ میرے بچوں نے میری ماں کی صورت دیکھ کر خوب مذاق اُڑایا۔ میں نے دیکھا تو چیخ کر بولا:

"ماں تم یہاں بھی میرے بچوں کو ڈرانے کے لیے آ گئی ہو۔ تمہیں کیسے جرأت ہوئی؟ میں اخلاقیات کی تمام حدود پار کر چکا تھا۔ غصے سے میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"معاف کر دو بیٹا! میں غلط جگہ پر آ گئی ہوں۔" ماں نے آہستگی سے کہا اور پیچھے قدموں سے واپس پلٹ گئی۔

ایک دن مجھے اپنے بچپن کے شہر میں ایک تقریب میں شامل ہونے کا دعوت نامہ ملا جس میں اسکول کے پرانے طالب علموں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس تقریب میں سب نے اپنے بچپن کی یادوں کو تازہ کرنا تھا۔ اسکول کی تقریب میں شرکت کے بعد میرا دل چاہا کہ کیوں نہ اس گلی اور محلے میں جاؤں جہاں میں بچپن میں رہا کرتا تھا۔ جہاں میں پیدا ہوا، کھیلا کودا اور اپنا لڑکپن گزارا۔ وہاں پہنچنے کے بعد محلے والوں نے مجھے بتایا کہ تمہاری ماں مرچکی ہے اور کسی پڑوسی نے ایک بند لفافہ مجھے تھما دیا۔ یہ لفافہ میری ماں نے میرے لیے دیا تھا جس میں تحریر تھا:

"اے میرے پیارے بیٹے، میرے جگر کے ٹکڑے! تجھے دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئی ہیں لیکن میں مجبوراً تجھے نہیں مل سکتی۔ میں تجھ سے معافی چاہتی ہوں کہ میں تمہارے گھر آئی اور تمہارے بچے میری شکل دیکھ کر ڈر گئے۔ بیٹا! ساری عمر میں نے تجھے بےزار کیا۔ میری شکل کی وجہ سے تو لوگوں کے سامنے شرمندہ ہوتا رہا اور میں تیرے لیے ندامت کا باعث بنتی رہی۔ آج تم اسکول میں تقریب میں شرکت کے لیے آئے، مجھے پتا چلا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا۔ میری آنکھوں کے بجھتے چراغ جل اُٹھے تھے۔ دل چاہا پر لگ جائیں اور تجھے جا کر دیکھ آؤں۔ لیکن پیارے بچے اب میرے جسم میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ چارپائی سے اٹھ سکتی۔ افسوس ہے کہ تو نے مجھے اپنے سے دُور کر لیا۔ میں تیرے ساتھ زیادہ وقت نہ گزار سکی۔ یہ قلق مجھے ہمیشہ رہا۔ تو میری نظروں سے دُور تو رہا لیکن میرے دل میں بسا رہا۔ میں اپنی شکل کا کیا کرتی۔ میری ایک آنکھ نے مجھے بدصورت بنا دیا اور تو میری وجہ سے ندامت اُٹھاتا رہا۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم بہت چھوٹے تھے جب تمہارے ساتھ ایک حادثہ ہوا تھا۔ اس حادثے میں تمہاری ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ میں ماں ہونے ناطے اپنے بیٹے، اپنے جگر کے ٹکڑے کو ایک آنکھ کے ساتھ پلتا، بڑھتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ لوگ تیرا مذاق اُڑائیں، تجھے ایک آنکھ کا طعنہ دیں اور میرا چاند سا بیٹا ایک آنکھ سے بدصورت لگے۔ پھر میں نے سرجری کے ذریعے اپنی ایک آنکھ تجھے دے دی۔ اس وقت میرا دل خوشی سے باغ باغ اور سر فخر سے بلند ہو گیا کہ میرا بیٹا اب میری آنکھ سے دُنیا کو دیکھے گا۔ میں تجھے پُراعتماد اور ہر خامی سے مبرا دیکھنا چاہتی تھی۔ تو سدا سلامت رہے۔

دل کی گہرائیوں سے..... تمہاری ماں۔

خط پڑھتے ہی میرا دل ندامت اور پچھتاوے سے بھر گیا۔ پشیمانی کے آنسو میری آنکھوں سے بہنے لگے۔ دل چاہا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ ازالے اور تلافی کا وقت گزر چکا تھا کیوں کہ ماں اس دُنیا سے گزر چکی تھی۔ میں اب اپنی پیاری ماں کو کہاں سے لاؤں، میں دیوار پر سر مار مار کر روتا رہا۔ کاش میں نے والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا ہوتا۔ اپنی دُنیا اور آخرت برباد نہ کرتا۔ افسوس کہ میں نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں قرآنی آیات پر عمل کر لیا ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان کے بارے میں دعا کرنے کے الفاظ بھی بتائے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔ اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں "اُف" تک بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔

اور ان دونوں کے لیے نرم دلی سے عجز و انکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو، اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔

افسوس صد افسوس میں اتنا پڑھ لکھ گیا لیکن دین کی باتوں کو نہ سمجھ سکا۔ میری سزا دُنیا میں ہی پچھتاؤں کی صورت میں مجھے مل گئی۔ بے شک والدین سے بُرا سلوک بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا دُنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ اب نہ ماں واپس آ سکتی تھی اور نہ میں معافی مانگ سکتا ہوں۔ آخرت میں دوزخ میں جلنے کی سزا تو ملے گی ہی لیکن دُنیا میں پچھتاؤں کی آگ میں جلنا دوزخ کی آگ سے زیادہ اذیت ناک ہے۔

☆☆☆

نبی کریم ﷺ کی شفقت کا اثر

اعلانِ نبوت کے چند روز بعد نبی کریم ﷺ ایک رات مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ انہیں کسی کے گھر سے رونے کی آواز آئی۔ حضور ﷺ اس دردناک آواز کو سننے کی غرض سے اس گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک نوجوان جو حبشہ کا معلوم ہوتا تھا، چکی پیس رہا تھا اور زاروقطار رو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں ایک غلام ہوں۔ سارا دن اپنے مالک کی بکریاں چراتا ہوں، شام کو تھک کر جب گھر آتا ہوں تو میرا مالک مجھے گندم کی ایک بوری پیسنے کے لیے دے دیتا ہے جس کو پیسنے میں ساری رات لگ جاتی ہے۔ میں اپنی قسمت پر رو رہا ہوں کہ میری بھی کیا قسمت ہے۔ میں بھی تو ایک گوشت پوست کا انسان ہوں۔ میرا جسم بھی آرام مانگتا ہے۔ مجھے بھی نیند ستاتی ہے لیکن میرے مالک کو مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آتا۔ کیا میرے مقدر میں ساری عمر اس طرح رو رو کے زندگی گزارنا لکھا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے مالک سے کہہ کر مشقت تو کم نہیں کروا سکتا کیوں کہ وہ میری بات نہیں مانے گا، ہاں میں تمہاری تھوڑی مدد کر سکتا ہوں کہ تم سو جاؤ اور میں تمہاری جگہ چکی پیستا رہوں۔ وہ غلام بہت خوش ہوا اور شکریہ ادا کر کے سو گیا اور آپ ﷺ اس کی جگہ چکی پیستے رہے۔ جب گندم ختم ہو گئی تو آپ ﷺ اسے جگائے بغیر واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن بھی آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور اس غلام کو سلا کر اس کی جگہ چکی پیستے رہے۔ تیسرے دن بھی یہی ماجرا ہوا کہ آپ ﷺ اس غلام کی جگہ ساری رات چکی پیستے اور صبح کو خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے آتے۔

چوتھی رات آپ ﷺ جب وہاں گئے تو اس غلام نے کہا: ''اے اللہ کے بندے! آپ کون ہیں اور میرا اتنا خیال کیوں کر رہے ہیں؟ ہم غلاموں سے نہ کسی کو کوئی ڈر ہوتا ہے اور نہ کوئی فائدہ تو آپ یہ سب کچھ کس لیے کر رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ سب انسانی ہمدردی کے تحت کر رہا ہوں اور اس کے علاوہ مجھے تم سے کوئی غرض نہیں۔ اس غلام نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس غلام نے کہا: ''ہاں! میں نے سنا ہے کہ ایک شخص جس کا نام محمد ہے، اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی محمد ہوں۔''

یہ سن کر اس غلام نے کہا کہ اگر آپ ہی وہ نبی ہیں تو مجھے اپنا کلمہ پڑھائیے کیوں کہ اتنا شفیق اور مہربان کوئی نبی ہی ہو سکتا ہے جو غلاموں کا بھی اس قدر خیال رکھے۔ آپ ﷺ نے انہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیا۔

پھر دنیا نے دیکھا کہ اس غلام نے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں لیکن دامنِ مصطفیٰ نہ چھوڑا۔ انہیں جان دینا تو گوارا تھا لیکن اتنے شفیق اور مہربان نبی کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ تھا۔ آج دنیا انہیں بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ہمدردی اور محبت نے انہیں آپ ﷺ کا سب سے انوکھا غلام بنا کر رہتی دنیا تک مثال بنا دیا۔

کھوج لگائیے

حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اکتوبر 2014ء ہے۔

نام: ____________

شہر: ____________

مکمل پتا: ____________

____

موبائل نمبر: ____________

دماغ لڑاؤ

حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اکتوبر 2014ء ہے۔

نام: ____________

مقام: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

ہونہار مصور

اکتوبر کا موضوع "میری خواہش" ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 اکتوبر 2014ء ہے۔

نام ____________ عمر ____________

مکمل پتا: ____________

____

موبائل نمبر: ____________

میری زندگی کے مقاصد

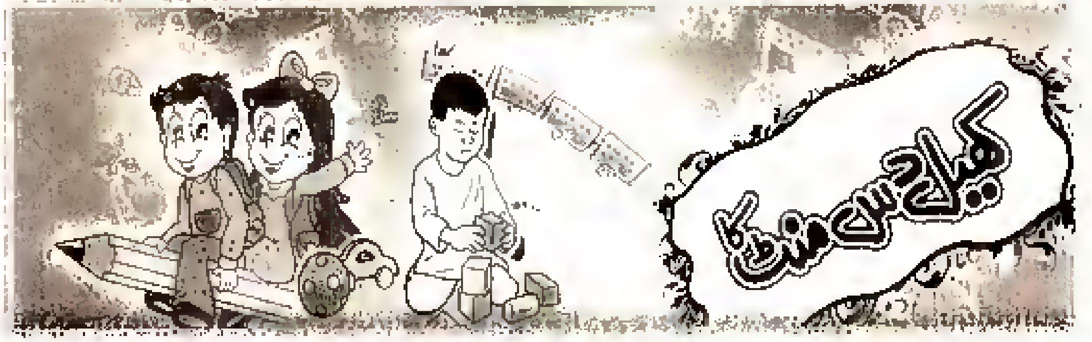
کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ____________ شہر ____________

مقاصد ____________

____

موبائل نمبر: ____________



ط	گ	ش	ف	ی	ق	م	چ	پ	ژ
ے	ڈ	ن	ع	ب	ہ	ض	د	س	غ
ڈ	ت	ا	ز	ا	ج	ع	ا	ص	ت
ب	ے	ن	گ	ط	ڑ	ل	ب	ز	س
ی	ل	د	ح	ص	ٹ	ء	ج	ک	ن
ع	ی	ع	س	ء	ع	ز	ی	ز	ی
ش	ض	ہ	ن	ش	م	ا	خ	ف	م
پ	ر	ج	ی	خ	ب	ی	ب	ح	ذ
ہ	غ	و	ن	ک	ظ	ن	د	س	ظ
س	د	ی	و	ا	ج	ف	ڑ	ق	ث

آپ نے حروف ملا کر دس بچوں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

اعجاز، شعیب، عزیز، تسنیم، حسنین، شفیق، مقصود، حبیب، جاوید، عدنان



ایک شخص نے ریڈیو اسٹیشن فون کیا۔ ''ہیلو جی، ریڈیو اسٹیشن۔''

''جی فرمایے۔'' آواز آئی۔

وہ شخص بولا: ''کیا میری آواز پورے شہر میں سنی جا رہی ہے؟''

''جی......''

پہلا شخص: ''جی، میری بہن بھی سن رہی ہو گی؟''

وہ شخص غصے سے بولا: ''یقیناً!''

پہلا شخص: ''بہن اگر آپ میری آواز سن رہی ہیں تو براہِ مہربانی موٹر چلا دو، ٹینکی میں پانی ختم ہو گیا ہے۔'' (حرا ظفر، گوجرانوالہ)

گاہک (کھانے کے بعد): ''یہ مجھے کیسی کافی پلا دی ہے جو نشہ ہو گیا۔ جلدی سے کچھ لاؤ تاکہ نشہ اترے۔''

دُکان دار: ''یہ لیجیے۔''

گاہک: ''یہ کیا ہے؟''

دُکان دار: ''کھانے کا بل۔'' (علی عمیر ظفر، گوجرانوالہ)

''ایک آدمی کو ڈرپ لگی۔ جب ڈرپ ختم ہوئی تو اس کا بھائی اس کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا:

''میری ڈرپ ختم ہو گئی ہے۔ سسٹر (نرس) کو بلا کر لاؤ۔''

اس کا بھائی کچھ کچھ انگریزی جانتا تھا، وہ فوراً گیا اور گاؤں سے اپنی بہن کو لے کر آ گیا۔ (کرن فاروق، حیدر فاروق، گوجرانوالہ)

راشد: ''تم نے پیروں میں رسی کیوں باندھی ہے؟''

اسلم: ''خودکشی کرنے کے لیے۔''

راشد: ''مگر خودکشی تو رسی کو گلے میں ڈال کر کرتے ہیں۔''

اسلم: ''پہلے وہیں ڈال کر دیکھی تھی، مگر گھٹن ہونے لگی۔''

(عبداللہ شاہ، دریا خان)

پہلا دوست: ''میں نے جلتی ہوئی عمارت سے تین لوگوں کو زندہ باہر نکالا مگر اس کے باوجود انہوں نے مجھے بہت مارا۔''

دوسرا دوست: ''وہ کیوں؟''

پہلا دوست: ''وہ اس لیے کہ جنہیں میں نے باہر نکالا تھا، وہ فائر بریگیڈ والے تھے۔''

☆☆

جج (ملزم سے): ''تمہیں کل صبح پانچ بجے پھانسی دے دی جائے گی۔'' یہ سن کر ملزم ہنسنے لگا۔

جج نے پوچھا: ''تم ہنس کیوں رہے ہو؟''

ملزم: ''جناب میں تو اٹھتا ہی صبح نو بجے ہوں۔'' (افراح اکبر، لاہور)

حامد اپنی شادی پر اداس تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

''سسرال والوں نے بارات میں کم آدمی بلائے ہیں، پتا نہیں ابا مجھے لے کر جائیں گے یا نہیں۔''

☆☆

ایک شاگرد اسکول میں گدھا لے کر آیا۔

اُستاد: ''آپ یہ گدھا کیوں لائے ہو؟''

شاگرد: ''آپ ہی تو کہتے ہیں، میں نے بڑے بڑے گدھوں کو انسان بنایا۔ میں نے سوچا، اس کی بھی زندگی بن جائے گی۔''

(رانا کلیم، بھکر)

ایک تاجر نے دوسرے تاجر سے کہا: ''دیکھو یار...... تمہارا بیٹا میری بوری سے چاول نکال کر تمہاری بوری میں بھر رہا ہے۔''

دوسرا بولا: ''یار وہ تو پاگل ہے۔''

پہلا بولا: ''اگر پاگل ہے تو تمہاری بوری سے نکال کر میری بوری میں کیوں نہیں بھر رہا؟''

دوسرا بولا: ''اب اتنا پاگل بھی نہیں ہے۔''

☆☆

فوجی افسر (جوان سے): ''تم نے جنگ میں کیا کارنامہ انجام دیا؟''

فوجی جوان: ''جناب! میں نے دشمن کا پاؤں کاٹ دیا۔''

فوجی افسر: ''سر کیوں نہیں کاٹا؟''

فوجی جوان: ''جناب اس کا سر پہلے ہی کٹا ہوا تھا۔''

(صوفیہ عبداللہ، پشاور)

ماں: ''بیٹا! میں نے تمہیں حیدر کے ساتھ کھیلنے سے منع کیا تھا۔ بُرے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلنا چاہیے۔''

بیٹا: ''امی! میں کیسا بچہ ہوں؟''

ماں: ''تم بہت اچھے بچے ہو۔''

بیٹا: ''تو حیدر میرے ساتھ کھیل سکتا ہے نا!'' (عبدالرحمٰن، راولپنڈی)

بوجھو تو جانیں



1۔ منہ کھولا کیا ہنس بتائی
شکر کیا وہ جب بھی آئی

2۔ رنگ کالا ہے پر کوا نہیں
کمر پتلی ہے مگر ہرن نہیں
درخت پہ چڑھ جاتا ہے
لیکن بندر نہیں، بتاؤ وہ کون ہے؟
(عبداللہ شاہ، دریا خان)

3۔ کبھی ہیں لال کبھی ہیں کالے
ہزاروں بار ہیں دیکھے بھالے

4۔ ان نے سب کے کام سنوارے
ورنہ ہوتے آنسو سارے

5۔ بوجھو بھیا ایک پہیلی
جب کاٹو تو نئی نویلی

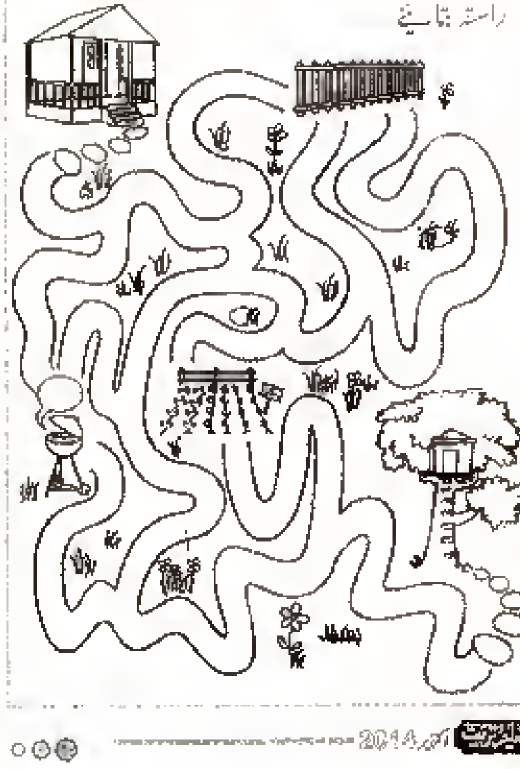
6۔ کالی کالی ماں
لال لال بچے
جدھر جائے ماں
ادھر جائیں بچے

7۔ لال گھوڑا رکا رہے
کالا گھوڑا بھاگتا جائے
(امبر کوثر، لاہور)

8۔ ہر موسم میں ہر فصل میں
رہتا ہے وہ اک جنگل میں
کوئی آ جائے کوئی پکائے
جیسے جس کا دل کرے کھائے
(ایمان زہرہ، لاہور)

[illegible]

راستہ بتائیے



نقطے ملائیے اور رنگ بھریے





احمد عدنان طارق

ایک لڑکا جس کا نام شبیر تھا، اس کے کان بہت تیز تھے۔ وہ ایسی باتیں بھی سن لیتا تھا جو اسے نہیں سننی چاہیے تھیں۔ اسے بہت بُری عادت تھی کہ وہ لوگوں کی باتوں کی سن گن میں رہتا تھا تاکہ اسے ان کی کوئی کمزوری ہاتھ لگ جائے۔ وہ دروازوں کی آڑ میں کھڑا ہو کر باتیں سنتا جو کہ انتہائی بُری بات تھی۔ کئی دفعہ تو وہ حد ہی کر دیتا۔ سڑک کے نزدیک کسی درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو جاتا اور راہ گیروں کی آوازیں سننے کی کوشش کرتا، تاکہ اس کے ہاتھ کوئی راز کی بات لگ جائے۔ اس کی امی جان اکثر اس کی اس بُری عادت کی وجہ سے اس سے ناراض ہو جاتیں۔ وہ اسے ہر وقت تنبیہ کرتیں کہ وہ اس عادت کو ترک کر دے، ورنہ وہ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔

ایک دن ان کی بات سچ ہو گئی۔ وہ گھر کے قریب ہی ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ اس کے آگے آگے ایک بڑی بی اپنی خمیدہ کمر کی وجہ سے جھکی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ یہ اماں ہوشیار بی بی تھیں جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ سارے علاقے میں سب سے عقل مند خاتون ہیں۔ شبیر نے فوراً اپنے دماغ میں ٹھان لیا کہ وہ اس بات کا سراغ لگائے گا کہ بڑی بی جنگل میں کدھر جا رہی ہیں؟ ہو سکتا ہے وہ جادو کرنے کے لیے جنگل سے کوئی عجیب و غریب جڑی بوٹی ڈھونڈنے جا رہی ہوں یا انہوں نے جنگل میں کوئی خزانہ دبایا ہوا ہے اور اسے نکالنے جا رہی ہوں، لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کام کرنے نہیں جا رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے پوپلے منہ میں کوئی گیت گنگناتے ہوئے جا رہی تھیں، یہاں تک کہ وہ جنگل کے درمیان میں بنے ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے پہنچ گئیں۔ شبیر حیران رہ گیا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس طرح جنگل میں بھی رہتا ہوگا۔ بڑی بی نے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے اندر سے دروازہ کھولا اور وہ گھر میں داخل ہو گئیں اور پھر دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔ شبیر کا دل بجھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دروازہ اندر سے اسی طرح بند رہا تو وہ باتیں کیسے سنے گا۔ پھر اس نے دیکھا کہ گھر کی ایک کھڑکی کھلی ہے۔ وہ جھکا اور چھپ کر کھڑکی کے نیچے بیٹھ گیا تاکہ پتا چلائے کہ اماں ہوشیار بی بی کس شخص سے کیا باتیں کر رہی ہیں جو اتنا بہادر ہے کہ بھرے جنگل میں اکیلا رہتا ہے۔ اس نے کھڑکی کے نیچے بیٹھے بیٹھے اپنے کان اندر ہونے والی گفتگو پر مرکوز کر لیے۔ اندر بڑی بی اپنی سہیلی مہتاب بی بی سے

باتیں کر رہی تھیں۔ اس کا حال چال پوچھنے کے بعد بڑی بی اسے بتا رہی تھیں کہ وہ اس کے لیے دوائی اور کچھ گھر کا بنا ہوا مکھن ساتھ لائی ہیں۔ بیمار سہیلی نے بڑی بی سے چائے پینے کی فرمائش کی اور اسے بتایا کہ کیتلی چولہے پر ہے جس میں پانی گرم ہو رہا ہے۔ بڑی بی نے کیتلی میں سے کچھ گرم پانی چائے دانی میں ڈالا اور باقی پانی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ وہ ابھی پانی میں پتی ڈالنے ہی والی تھیں کہ کھڑکی کے باہر سے شبیر کی چیخ کی آواز سنائی دی جس پر انہوں نے اُبلتا ہوا پانی ڈال دیا تھا۔ بڑی بی پریشان ہو گئیں۔ وہ بڑبڑائیں یہ کیسی آواز تھی؟ انہوں نے کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی تو انہیں شبیر نظر آ گیا جو ایک رومال سے اپنی گردن اور چہرے کو صاف کر رہا تھا اور اس لمحے کو کوس رہا تھا جب وہ اپنی چیخ کو روک نہیں سکا تھا۔ بڑی بی کو غصہ آ گیا۔ وہ چلائیں تو یہ تم ہو؟ وہ شبیر کی کمزوری سے بخوبی واقف تھیں۔ کہنے لگیں کہ میں تو صرف اپنی بیمار سہیلی کی تیمارداری کے لیے آئی تھی۔ کسی خفیہ مشن پر نہیں مگر تم بہت بُرے لڑکے ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے شرمندگی میں بھاگ نکلتا، بڑی بی کے استخوانی ہاتھ نے اسے کان سے دبوچ لیا اور اسے کھینچنا شروع کر دیا۔ پھر اس کے دوسرے کان کی باری آئی۔ اسے بھی بڑی بی نے زور سے کھینچا۔ اُدھر شبیر درد سے چیخ رہا تھا اور زور لگا رہا تھا کہ بڑی بی کی گرفت سے چھوٹے اور یہاں سے بھاگ جائے۔ اُدھر بڑی بی نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔

جتنا زور سے کھینچو گے
اپنے کان لمبے کر لو گے

شبیر نے اپنے دکھتے کانوں کو سہلایا تو اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے کان بڑی بی کے کھینچنے سے لمبے اور غیر متوازن ہو گئے ہیں۔ وہ تیر کی طرح گھر کو بھاگا اور وہاں پہنچ کر سیدھا اپنے کمرے کے غسل خانے میں گیا۔ جیسے ہی اس نے شیشے میں جھانکا تو ایک المناک حقیقت اس کے سامنے تھی۔ اس کے کان اتنے لمبے ہو چکے تھے جیسے کسی چھوٹے خرگوش کے۔ وہ کسی خودرو پودے کی طرح اس کے سر سے بلند تھے اور پھر کسی خرگوش کی طرح آگے سے پیچھے کی طرف گرے ہوئے تھے۔ شبیر اس حلیہ سے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہا تھا۔ وہ بے چارہ حیران و پریشان سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ اُدھر نیچے سے اس کی امی جان نے اسے کھانے پر بلانا شروع کر دیا۔ شبیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بار بار بلانے پر بھی وہ امی جان کو جواب نہ دے سکا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے انہیں پونچھ رہا تھا۔ آخر کوئی جواب نہ پا کر امی جان خود ہی اوپر گئیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا۔ شبیر کو دیکھا اور ششدر رہ گئیں۔ وہ سمجھیں شاید شبیر نے کوئی ربڑ سے بنے کان شرارت سے پہن رکھے ہیں۔ وہ آگے بڑھیں اور زور سے شبیر کے کان کھینچ کر علیحدہ کرنے کی کوشش کرنے لگیں، مگر جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ تو اصلی ہیں۔ شبیر نے اپنی امی جان کو سارا واقعہ سنایا تو وہ روہانسی ہو کر بولیں کہ بیٹا میں نے تو تمہیں پہلے ہی خبردار کیا تھا کہ تم اپنی اس گندی عادت کی وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اب بتاؤ تم کیا کرو گے؟

شبیر نے امی سے کہا کہ وہ سر پر ٹوپی پہنے گا۔ مہربانی فرما کر وہ استاد سے اس کی اجازت لے دیں، ورنہ اسکول میں مجھے کوئی ٹوپی پہننے نہیں دے گا۔ اگلی صبح کلاس میں شبیر سر پر بڑی سی ٹوپی پہن کر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اس کی امی جان کی طرف سے اسے ٹوپی پہننے کی اجازت کے بارے میں درخواست تھی جو اس کے کلاس ٹیچر نے مان لی۔ باقی بچے البتہ اس کے حلیے پر ہنستے رہے۔ تفریح کے وقت سارے بچے کلاس سے باہر کھیلنے گئے تو اس نے دیکھا کہ اس کے دو ہم جماعت ایک کونے میں کھڑے کوئی بات کر رہے ہیں۔ شبیر اپنی عادت کے مطابق ان کے نزدیک گیا تاکہ ان کی باتیں سنے۔ جیسے ہی اس نے کوشش شروع کی، اس کے سر سے ٹوپی یوں زمین پر گر گئی جیسے کسی نے ہاتھ سے اسے نیچے گرا دیا ہو۔ شبیر نے بے اختیار اپنا ہاتھ سر پر پھیرا تو اس کی خوف سے چیخ نکل گئی۔ اس کے کان اب پہلے سے دو گنے لمبے ہو چکے تھے۔ دوسرے بچے بھاگ کر اس کے پاس آ گئے اور اشارے کر کے ایک دوسرے کو اس کے کانوں کے بارے میں بتانے لگے۔ وہ اس کے کانوں کو گدھے کے کان کہہ رہے تھے اور شبیر کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ شبیر روتا ہوا گھر بھاگ گیا۔ اس کی امی جان بھی خوف زدہ تھیں۔ وہ اسے فوراً اماں ہوشیار بی بی کے گھر لے گئیں اور ان سے درخواست کی کہ وہ کان ٹھیک کر دیں لیکن بڑی بی نے کہا کہ وہ خود

ان کانوں کو ٹھیک نہیں کر سکتیں۔ یہ کام صرف ان کی خالہ کی بیٹی صرصر بیگم کر سکتی ہیں جو جنگل سے گزر کر ایک پہاڑی پر رہتی ہیں اور اس کام کے لیے شہیر کو اکیلے جانا ہوگا۔ شہیر اکیلے جانا نہیں چاہتا تھا مگر اسے جانا ہی پڑا۔ اس نے اپنی جان کو خدا حافظ کہا اور خالہ صرصر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ خالہ بھی گویا شہیر ہی کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ بڑی چمکیلی اور کٹیلی آنکھوں والی خالہ تھیں۔ انہوں نے تیز نگاہوں سے شہیر کا استقبال کیا اور دونوں ہاتھوں سے شہیر کے کانوں کو سہلایا اور کہنے لگیں کہ میں نے کسی لڑکے کے اتنے لمبے کان نہیں دیکھے لیکن یہ میرے لیے بڑے سازگار ثابت ہوں گے۔ "وہ کس طرح؟" شہیر نے پوچھا تو خالہ نے کہا کہ وہ اونچا بولے کیوں کہ خالہ بہت کم سنتی تھیں اور تقریباً بہری تھیں۔

شہیر کو ان سے بات کرتے وقت چیخنا پڑا۔ وہ بہت مصروف رہتی تھیں۔ انہوں نے شہیر کو اپنے کانوں کی جگہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ خالہ جو بھی سننا چاہتیں، ایک طرح شہیر کے ذریعے ہی سے سنتیں۔ ایک صبح انہوں نے شہیر سے کہا کہ وہ جنگل میں جائے اور بلبل کا گیت سنے اور بتائے کہ وہ اپنے گیتوں میں کیا کہتی ہے؟ انہوں نے شہیر کو کہا کہ وہ بلبل کا پیغام لکھ کر لائے۔ شہیر نے حکم کی تعمیل کے لیے جنگل کا رخ کیا۔ وہ دل میں شرمندہ بھی تھا۔ اگرچہ وہ بلبل کو پہلے دیکھ چکا تھا لیکن اس نے بلبل کا خوب صورت گیت سننے کی کبھی زحمت ہی نہیں کی تھی۔ بلبل ایک درخت پر بیٹھا گا رہا تھا۔ پہلے تو شہیر کو معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا گا رہا ہے۔ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر بیٹھ گیا اور غور سے بلبل کا گانا سننے لگا۔ بلبل آسمان اور سورج کی تعریف کر رہا تھا۔ بلبل کی نظر شہیر پر پڑی تو اس نے گانے میں شہیر کے کانوں کا بھی ذکر کر دیا۔ شہیر شرمندہ ہو گیا۔ پھر بھی وہ سنتا رہا۔ اسے گانے کو سن کر ایک تمازت سی محسوس ہوئی۔ اس نے خالہ صرصر کو گانا لکھ کر دیا اور کہنے لگا کہ خالہ بلبل تو بہت خوب صورت گاتا ہے۔ خالہ نے حیرانی سے پوچھا کہ وہ یہ بات پہلے نہیں جانتا تھا، تمہارے کان پہلے کیا کر رہے تھے؟ دن گزرتے رہے۔

ایک دن خالہ نے اسے ایک بہتے جھرنے کا گیت لکھنے کے لیے بھیجا۔ اس نے کھانا کھایا اور گھر سے چل پڑا کیوں کہ جھرنا کافی دور تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ شفاف جھرنے کے قریب بیٹھ گیا اور پانی گرنے



کی مترنم آواز سننے لگا۔ اس نے غور سے سنا تو اس کی روح تک خوشی سے لبریز ہوگئی۔ کون جانتا تھا کہ جھرنے بھی گاتے ہیں؟ پھر اس نے خالہ صرصر کی دی ہوئی بانسری نکالی اور جھرنے کے ترنم کے ساتھ بجانے لگا۔ ساری دوپہر شبیر نے محنت سے جھرنے کے ساتھ ایک دھن بنائی اور پھر خوشی خوشی خالہ کے گھر پہنچا اور پھر اونچی آواز سے بہری خالہ کو سنائی، وہ مسکرائیں۔ شبیر نے جھرنے کے گیت کی تعریف کی تو وہ کہنے لگیں۔ ''تم نے پہلی دفعہ سنا ہے کیوں کہ ابھی تک تم وہ باتیں سنتے تھے جو تمہیں نہیں سننی چاہئیں تھیں۔'' اسی طرح کچھ دنوں کے بعد خالہ نے شبیر کو اپنا کوٹ پہننے کو دیا کیوں کہ ہوا بہت تند و تیز تھی اور اسے جنگل میں بھیجا کہ جاؤ اور پتا کرو کہ جنگل کے درختوں کے پاس میرے لیے کیا پیغام ہے؟ سردی ہو رہی تھی۔ شبیر جنگل میں ایک گھنی جھاڑی میں دبک کر بیٹھ گیا اور غور سے درختوں میں ہونے والی سرسراہٹ سننے لگا۔ پتے کھڑکھڑاتے ہوئے ایک لے بنا رہے تھے۔ کون سوچ سکتا تھا کہ جنگل بھی سرگوشی کر سکتا ہے۔ وہ غور سے سنتا رہا اور پتوں میں ہوا کی سرسراہٹ اور درختوں کی سرگوشیوں سے اس نے ایک گیت بنایا اور پھر خالہ کو سنایا اور خالہ سے کہا کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ ہوا بھی گیت سناتی ہے۔ خالہ نے بتایا کہ خدا نے انسان کے کان اس لیے بنائے ہیں تاکہ ان سے اچھے کام لیے جا سکیں۔ پھر انہوں نے شبیر کو کہا کہ وہ رات کو باغیچے میں بیٹھے اور اندھیرے میں جانچے کہ کیا ہوتا ہے؟ شبیر نے حکم مانا اور رات کو باغیچے میں پڑے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ رات کو میں کوئی آواز نہیں سن سکتا۔ پھر اس نے الوؤں کی ہو ہو سنی جو شاید ایک دوسرے کو بلا رہے تھے۔ چاند بھی بادلوں کے پیچھے سے نکل آیا۔ چھوٹی چھوٹی چمگادڑیں ہوا میں اڑ رہی تھیں۔ شبیر ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سن سکتا تھا۔ جھینگروں کی آوازوں سے ایک علیحدہ موسیقی پیدا ہو رہی تھی۔ ہوا بھی درختوں میں سے گزر کر سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی۔ ایک بلبل پھر اپنا راگ الاپنے لگا۔ شبیر مبہوت ہو کر باغیچے میں بیٹھا رہا۔ آخر خالہ کو اسے اندر لانا پڑا۔ اس نے خالہ سے گلہ کیا کہ وہ ابھی باغیچے میں رہنا چاہتا تھا۔ اس نے خالہ کو بتایا کہ بلبل کا گیت اسے پریوں کا گیت لگ رہا تھا لیکن خالہ نے اسے سلا دیا۔

اس سے اگلی رات جب شبیر سونے لگا تو دور سے اسے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی۔ اس نے سویٹر پہنا اور باہر بھاگا۔ خالہ اسے روکتی رہ گئیں۔ اس نے خالہ کو بتایا کہ کسی جانور کے کراہنے کی آواز آ رہی ہے۔ وہ بھاگ رہا تھا اور چاند بھی اپنی روشنی سے اس کی راہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے ایک خرگوش کو دیکھا جس کا پاؤں زخمی تھا اور وہ درد سے چیخ رہا تھا۔ اس نے اسے پیار سے اٹھا کر اپنے سویٹر میں کر لیا۔ گھر آ کر اس نے خرگوش کے زخم کو دھویا اور اس کی مرہم پٹی کی۔ خرگوش اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں تشکر کے جذبات لیے اسے دیکھتا رہا۔ شبیر نے خالہ کو بتایا کہ وہ پہلے ایسی آوازوں پر غور نہیں کرتا رہا، حالانکہ یہ آوازیں اسے پہلے بھی سنائی دیتی رہتی ہیں۔ خالہ نے کہا کہ اب تم اچھے بچے بن گئے ہو اور تم نے کانوں سے صحیح کام لینا شروع کر دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اب تم لوگوں کی باتوں کو بلاوجہ سننے کی کوشش نہیں کرو گے۔ شبیر نے خالہ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ لوگوں کی باتوں میں بلاوجہ دخل نہیں دے گا۔ خالہ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اب میں تمہارے لیے کان اس خرگوش کو دے رہی ہوں۔ انہوں نے شبیر کے دونوں کانوں پر ہاتھ پھیرا۔ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پھر بڑے پیار سے دونوں کان شبیر کے سر سے اتار لیے۔ نیچے سے شبیر کے اپنے کان چہرے کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے خرگوش کے چھوٹے کانوں پر یہ بڑے بڑے کان فٹ کر دیے اور خرگوش کو دعا دی کہ وہ اب دشمنوں کے قدموں کی چاپ جلدی سن سکے گا اور انہیں صحیح استعمال کر کے خطرے سے دور رہے گا۔ خرگوش آہستگی سے لنگڑاتا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔ شبیر نے آئینے میں خود کو دیکھا اور خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ ''شبیر بیٹا! کانوں کو فطرت کی خوب صورت آوازیں سننے کے لیے استعمال کرو اور مصیبت میں لوگوں کی مجبور آوازیں سنا کرو، لیکن ایسے راز سننے کی کوشش نہ کرو جن سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ شبیر نے اگلے دن خالہ کو خدا حافظ کہا اور گھر واپس آ گیا۔ اس کی امی جان اسے ٹھیک دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ انہوں نے کانوں کے بارے میں شبیر سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اب اس کے کان صرف اچھی چیزیں سن سکتے ہیں۔ بُری نہیں اور ان شاء اللہ اب میرے کان لمبے بھی نہیں ہوں گے اور واقعی بچو! آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ پھر کبھی دوبارہ اس کے کان لمبے نہیں ہوئے۔ ☆☆



لیاقت علی خان

شہید ملت لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیراعظم تھے۔

آپ یکم اکتوبر 1895ء کو پیدا ہوئے۔ 1918ء میں ایم اے او کالج سے بی اے کیا۔ گریجویشن کے بعد انڈین سول سروس سے ملازمت کی پیش کش ہوئی لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

1921ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ 1923ء میں وطن آ کر اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور 1924ء میں باقاعدہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ 1940ء میں مسلم لیگ میں آپ کو پارلیمانی پارٹی کا ڈپٹی لیڈر بنایا گیا۔

لیاقت علی خان ایک بااصول، بے دار مغز اور ایمان دار راہنما اور سیاست دان تھے۔ انہوں نے قائداعظم کے شانہ بشانہ قوم کی تنظیم کی اور سیاسی تشخص کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔

لیاقت علی خان، قائداعظم کے بااعتماد ساتھی تھے۔ ایک موقع پر قائداعظم نے فرمایا "لیاقت علی خان میرے دست راست ہیں جو تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے لیے دن رات کام کرتے ہیں۔ یہ حقیقت شاید چند افراد کو معلوم ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کا کتنا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انہیں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔"

لیاقت علی خان ایک محب وطن لیڈر تھے بلکہ عوام کے لیے ان کے دل میں ہمدردی اور خلوص بھی تھا۔ وہ عوام کے مسائل سے آگاہ رہا کرتے تھے۔ معروف دانش ور ڈاکٹر نظر کامرانی ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ: یہ ان دنوں کی بات ہے جب شہید ملت وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ یوسف ہارون آسٹریلیا میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ موسم سرما میں وہ اپنے ڈرائنگ روم میں شیو کر رہے تھے۔ اس کمرے میں سرد ہوا آ رہی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو سردی لگ جائے گی۔ لیاقت علی نے جواب دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس ایک قمیص تو ہے۔ ایسے بھی ہزاروں خدا کے بندے موجود ہیں جن کو یہ بھی میسر نہیں۔ آرام کی جتنی عادت ڈالو اتنی پڑ جاتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اپنی ضروریات کو بے حد محدود کر لیا جائے۔

وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کے بعد وہ عموماً جمعہ کی نماز کراچی کی مختلف مسجدوں میں ادا کرتے تھے۔ ایک بار وہ کیماڑی کی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے گئے۔ مسجد نمازیوں سے بھر چکی تھی۔ چنانچہ لیاقت علی خان خاموشی سے آخری صف میں

کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے کوشش کی کہ انہیں اگلی صف میں جگہ دیں، مگر انہوں نے منظور نہ کیا اور وہیں ایک ضعیف نمازی کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے اس غریب کو ہٹانے کی کوشش کی تو آپ ناراض ہوئے اور کہا: "خدا کے گھر میں وزیراعظم پاکستان اور ایک غریب مسلمان سب برابر ہیں۔"

رئیس زادہ ہونے کے باوجود وہ خود کو عوام کا خادم سمجھتے تھے۔ جب آپ شہید ہوئے تو شیروانی کے نیچے پھٹی بنیان اور جیب میں چند روپے تھے اور ان کے بنک اکاؤنٹ میں بھی رقم برائے نام تھی۔

وطن سے محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وزیراعظم بننے کے بعد کراچی میں رہائش کے لیے جو جگہ دی گئی، وہ کسی بھی طرح وزیراعظم کے شایان شان نہیں تھی مگر انہوں نے صبر شکر کے ساتھ اسے قبول کیا۔ یہ وہی لیاقت علی خان تھے جو دہلی میں اپنی کوٹھی "گل رعنا" میں رہتے تھے، جو کسی محل سے کم نہ تھی مگر پاکستان میں وہ سب مہاجروں کے ساتھ ایک غریب آدمی کی طرح رہ رہے تھے۔

ایک بار چھت ٹپکی تو بیگم رعنا نے کہا کہ وزیراعظم پاکستان کو بھی کیسا گھر ملا ہے جس کی چھت ٹپکتی ہے۔ آپ کوئی اچھا سا بندوبست کیوں نہیں کر لیتے تو قائد ملت نے جواب دیا۔ "شکر کرو کہ گھر تو ہے، بہت سے مہاجروں کو تو یہ سہولت بھی میسر نہیں۔"

یوسف ہارون کو ان کی قربت کا موقع زیادہ ملا۔ وہ بتاتے ہیں کہ جب بھی مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو میں مرحوم کا بزرگانہ مشورہ حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں پہنچتا اور ہمیشہ فیض یاب ہوتا۔ جب میں صوبہ سندھ کا وزیراعلیٰ بنا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: "تمہیں اپنے زمانہ اقتدار میں بہت سے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو تم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اس موقع پر تم انصاف کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا اور ملک کا نقصان کر کے کسی کا ذاتی فائدہ ہرگز نہ کرنا۔ ہاں اگر انصاف کا خون کیے بغیر تم کسی کا فائدہ کر سکتے ہو تو مضائقہ نہیں۔ اپنے ضمیر اور خدا کے سامنے سچے رہنا اور کسی ایک کو ناراض کر کے دوسرے کی خوشی مت خریدنا۔ تمہیں حکومت کے اختیارات ملے ہیں تو خوف خدا کر ہمیشہ اپنا رہبر بنانا اور قانون کی راہ میں روڑے مت اٹکانا۔

بقول آغا عبدالحمید، لیاقت علی خان کو سب سے زیادہ نفرت سفارش سے تھی۔ لیاقت علی خان کو بحیثیت وزیراعظم مرکزی حکومت کی تمام اعلیٰ تقرریوں کی خود منظوری دینا پڑتی تھی۔ میرے تقرر کے چند ہفتے بعد میں نے ایک کیس ان کے سامنے پیش کیا۔ ایک صاحب جو قائد ملت کے پچیس سالہ پرانے دوست تھے، انہوں نے ایک امیدوار کے لیے سفارشی خط بھجوایا۔ میں نے اپنا فرض جانا کہ وہ خط لیاقت علی خان کے سامنے پیش کروں۔ خط دیکھتے ہی انہوں نے عجیب نظروں سے میری جانب دیکھا اور بلند آواز میں مجھ سے پوچھا۔ "اس خط کا کیا کروں؟" میں بہت گھبرایا، انہوں نے سفارشی خط کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ چند دن بعد ایک اور اسی قسم کا خط مجھے ملا تو جونہی میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اس بار دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا کہ "آئندہ میں سفارشی خطوط نہ دیکھوں۔"

لیاقت علی خان نے بطور وزیراعظم ایک غریب آدمی کا طرز زندگی اپنایا۔ گھر میں سادہ کپڑے پہنتے، حتیٰ کہ بعض اوقات پھٹے کپڑے بھی پہن لیتے۔ امور مملکت کے دوران کھانے پینے کا ہوش نہ رہتا۔ لیاقت علی خان نے اپنی ساری زندگی قوم کے لیے وقف کر دی، حتیٰ کہ اپنی ساری جائیداد بھی قوم کے لیے قربان کی۔ لیاقت علی خان نے ہندوستان میں اپنی وسیع و عریض جائیداد چھوڑی اور اس کے بدلے میں حکومت پاکستان سے کچھ نہ مانگا۔ ہندوستان کا نواب، پاکستان بننے کے بعد پاکستان کا ایک غریب وزیراعظم تھا۔ شہادت کے وقت ان کے جسم پر جو کپڑے تھے اس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان کے پاس استعمال کے کپڑے بہت کم تھے۔ مسلسل دھلنے کے بعد جب قمیص کا کالر پھٹ جاتا تو اسی قمیص سے کپڑا نکال کر صحیح کر لیا جاتا۔

پیارے بچو! پاکستان کا حصول ایسے لوگوں کی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے جن کے جذبے اور لگن سچی تھی۔ لیاقت علی خان بھی ان عظیم لوگوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے اسلاف کی قربانیوں، ان کے طرز زندگی اور خلوص کی پیروی کریں کیونکہ محب وطن لیڈر ہی ہمارے وطن پاکستان کو دنیا کی عظیم طاقت بنا سکتے ہیں۔ ☆☆☆

میری زندگی کے مقاصد



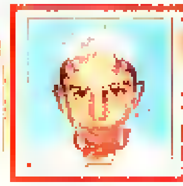
محمد احمد، حیدرآباد

میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں گا اور پاکستان کی خدمت کروں گا۔



سلمان، کراچی

میں حافظِ قرآن بن کر دینِ اسلام کی خدمت کروں گا۔



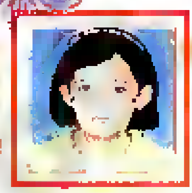
فراست، کراچی

میں فوجی بن کر ملک و قوم کی حفاظت کروں گا۔



مریم [illegible]

میں فوج میں جا کر ملک و قوم کی خدمت کروں گی۔



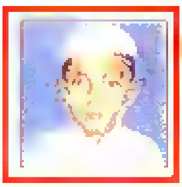
مشتاق [illegible]

میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے والدین کا نام روشن کروں گی۔



سمیرا [illegible]

میری زندگی کا مقصد دوسروں کے کام آنا ہے۔



محمد [illegible]، کراچی

میں سیاست دان بن کر ملک کی تقدیر بدلوں گا۔



آفاق [illegible]، کراچی

میں [illegible] پاکستان کا نام روشن کروں گا۔



[illegible]، کراچی

میں فوجی بن کر وطن کی حفاظت کروں گا۔



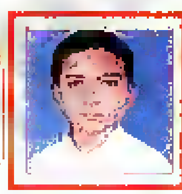
[illegible]، اسلام آباد

میں ڈاکٹر بن کر مریضوں کا علاج اور خدمت کروں گی۔



محمد [illegible]، بہاولنگر

میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں گا۔



[illegible]

میں [illegible] انجینئر بنوں گا۔



محمد [illegible]، کراچی

میں ایک باادب اور مہذب انسان بنوں گا۔



محمد [illegible]، کراچی

میں دینِ اسلام کی تعلیمات ساری دنیا میں پھیلاؤں گا۔



[illegible]، کراچی

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔



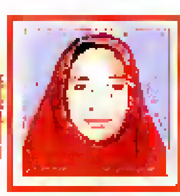
[illegible]

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔



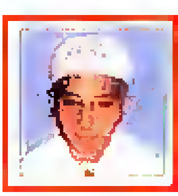
[illegible]، کراچی

میں حافظِ قرآن بن کر دینِ اسلام کی خدمت کروں گا۔



[illegible]

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔



[illegible]، کراچی

میں فوجی بن کر وطن کی حفاظت کروں گا۔



علم

ظلمت کی جنگ مٹاؤ   علم کی شمع جلاؤ
علم ہے نادر گہنا   دل سے لگائے رہنا
جو بچے پڑھتے ہیں   وہ آگے بڑھتے ہیں
علم ہے ایک سمندر   سب ہے اس کے اندر
قسمت اس کی جاگے   پیچھے جو اس کے بھاگے
علم سے اب ملتا ہے   اس سے کون جدا ہے

(مہدی اکبر غوری، بھکر)

کرنا اچھے کام

سن لو میری بات   دن ہو کر رات
صبح ہو یا شام   کرنا اچھے کام
کام کے بعد آرام   یہ ہے اچھا کام
بات سمجھ میں آئی   نفرت میں رسوائی
سب سے کرو بھلائی   سب کو کہو سلام
یہ ہے اچھا کام   وطن کے سارے بچو
راج دلارے بچو   سن لو پیارے بچو
قائد کا پیغام   کام کام کام

(محمد حسان، راولپنڈی)

تعلیم و تربیت

چمکتا سورج دمکتا ستارہ   تعلیم و تربیت کا ہر شمارہ
ہر بچے کو بہت پیارا   تعلیم و تربیت کا ہر شمارہ
اس میں اپنی نظم نہ پا کر   دل ہو جائے گا پارہ پارہ
اگلے شمارے میں پلیز   اسے جگہ دیجئے خدارا
ان شاء اللہ آئندہ ماہ نظم   کے ساتھ حاضر ہوں گے دوبارہ
دعائیں ہیں آپ کے ساتھ ہماری   سلام ہو آپ کو ہمارا

چار صحابہؓ

مذہب ہمارا ہے اسلام   قرآن اللہ کا ہے کلام
رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم   وہ انبیاء کے ہیں امام
حضرت ابوبکر صدیقؓ   ان کا صحابہ میں اونچا مقام
حضرت عمر فاروقؓ   ان کی سلطنت کا اعلیٰ مقام
کاتب قرآن خلیفہ سوم   عثمان غنیؓ ہے ان کا نام
حضرت علیؓ اللہ کے شیر   اور نبیؐ کے ہیں غلام
پڑھو حضورؐ پہ درود   سلام پڑھو صبح و شام
اسد اللہ میرا نام   نظمیں لکھنا میرا کام

(اسد اللہ ناصر، بہاولپور)

برا دوست

برا دوست کوئلے کی طرح ہوتا ہے۔ جب گرم ہوتا ہے تو ہاتھ جلا دیتا ہے اور جب ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو ہاتھ کالے کر دیتا ہے۔

بدترین قاتل

زندگی میں تین بدترین قاتل ہیں۔ زیادہ سوچنا خوشی کو مار دیتا ہے۔ عدم تحفظ کا احساس ہمت کو ختم کر دیتا ہے اور جھوٹ اعتماد کو کھا جاتا ہے۔ (سید شہریار، لاہور)

حضرت لقمان کو دانائی ملنے کا سبب

حضرت عمرو بن قیس فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان ایک روز ایک مجلس میں لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں سنا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ ''کیا تم وہی نہیں ہو جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟'' آپ نے فرمایا کہ ''ہاں! میں وہی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''پھر تم کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ مخلوق تمہاری تعظیم کرتی ہے اور تمہارے کلمات حکمت سننے کے لیے دور دور سے جمع ہوتی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اس کی وجہ میرے دو کام ہیں۔ ہمیشہ سچ بولنا۔ فضول باتوں سے اجتناب کرنا۔''

قیمتی موتی

خاموشی: ایسا درخت ہے جس پر کبھی بھی کڑوا پھل نہیں لگتا۔
حسد: ایسی دیمک ہے جو انسان کو اندر اور باہر سے ختم کرتی ہے۔

ذہانت: ایسا پودا ہے جو محنت کے بغیر نہیں لگتا۔

خوش اخلاقی: ایسی خوش بو ہے جو میلوں دور سے محسوس ہوتی ہے۔

ضمیر: ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ حق کی راہ دکھاتا ہے۔

دعا: ایسا عمل ہے جو تقدیر کو مات دے سکتا ہے۔

توبہ: ایسا دروازہ ہے جو موت کی ہچکی تک کھلا رہے گا۔

گناہ: ایسی لعنت ہے جو قلب کو کالا کر دیتی ہے۔(رشدہ عدنان، کراچی)

پیاری باتیں

- ہمیشہ سچ بولو، چاہے سچ بولنے سے جان ہی چلی جائے۔
- بے فائدہ اور بے کار کاموں میں نہ لگو۔
- اپنے دشمن سے الگ رہو۔
- قبرستان میں جا کر خشوع اختیار کرو۔
- دوسروں پر بھروسا کرنے والے کم ہی کامیاب ہوتے ہیں۔
- ایسا اشارہ بھی حرام ہے جس سے کسی کو رنج ہو۔
- موقع کا انتظار نہ کرو بلکہ اپنے لیے خود موقع تلاش کرو۔
- بار بار آزمانے پر ہی کسی کو آدمی سمجھا جاتا ہے۔
- کسی اجنبی پر اندھا اعتبار کرنا بڑی بے وقوفی ہے۔
- ''مایوسی'' انسان کی سب سے بڑی دشمن اور خدا کا عذاب ہے۔
- بدتر وہ ہے جس میں حیا کم ہو۔(عریشہ بنت حبیب الرحمٰن، کراچی)

کامیاب زندگی

- پاؤں بے شک پھسل جائے مگر زبان کو نہ پھسلنے دو۔
- آج عمل ہے حساب نہیں لیکن کل حساب ہوگا عمل نہیں۔
- جھوٹ بول کر جیت جانے سے سچ بول کر ہار جانا بہتر ہے۔
- خوب صورتی کپڑوں یا شکل سے نہیں بلکہ اچھے اخلاق سے ہوتی ہے۔

(عثمان حیدر معاویہ، منڈی بہاؤ الدین)

ضیافت

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں، رسول اللہ نے فرمایا: ''سب مل کر کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ ہو کر نہ کھاؤ کیوں کہ جماعت میں برکت ہوتی ہے۔(ابن ماجہ)

مہمان نوازی

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، رسول اللہ نے فرمایا کہ **جو شخص خدا** اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے **اپنے مہمان کی عزت** کرنی چاہیے۔(بخاری اور مسلم) (نمرہ عبدالخالق، لاہور کینٹ)

قیمتی جواہرات

- زیادہ بولنے کا نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔
- جس میں برداشت کی طاقت ہوگی وہ کبھی شکست نہیں کھائے گا۔
- انسان عمل سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ شکل سے۔
- خود کو بدل دو قسمت خود بخود بدل جائے گی۔
- علم کا سمندر عمل کا ایک قطرہ بن جاتا ہے۔(حذیفہ مرتضیٰ، ایبٹ آباد)

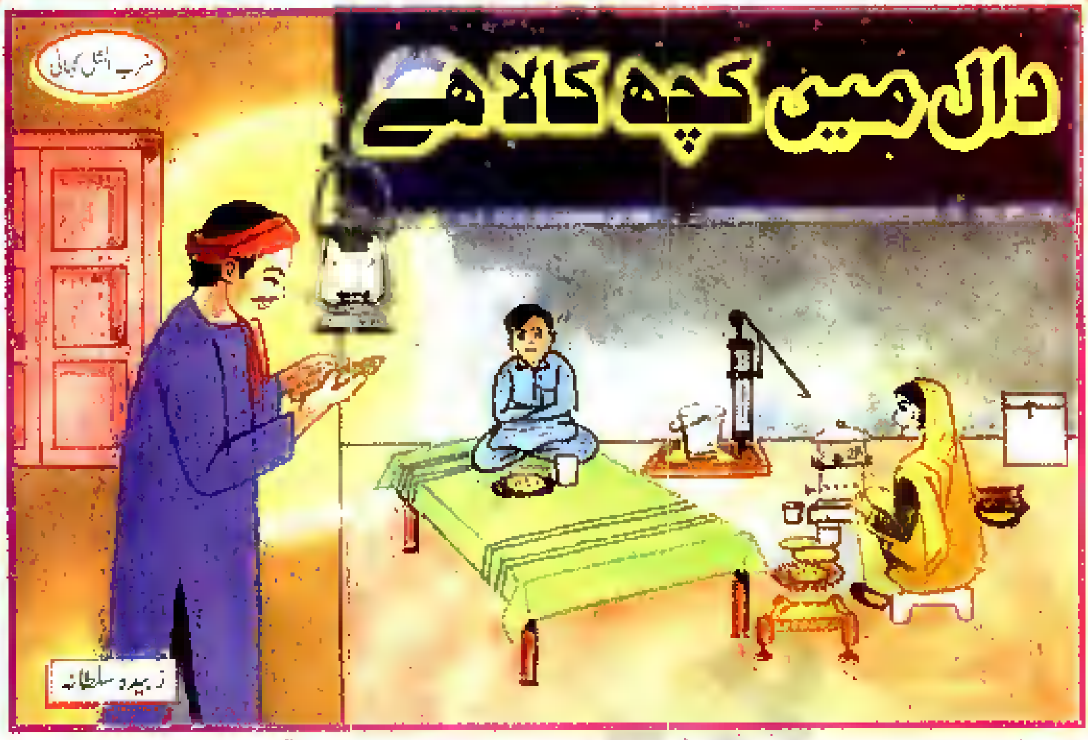
تیری مثال

ایک ضرورت مند ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امداد چاہی۔ اتفاق سے اس وقت بزرگ کا ہاتھ خالی تھا۔ اس لیے معذرت چاہی لیکن اس شخص کو یقین نہ آیا اور باہر جا کر بزرگ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس وقت بزرگ کا ایک مرید ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس نے اپنے پیر کی شان میں گستاخی سنی تو فوراً اُدھر پہنچا اور اس شخص کی گستاخی کا حال سنایا۔ بزرگ نے فرمایا: ''**اصل تکلیف** تو تم نے پہنچائی ہے وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ہمیں معلوم نہ تھا۔ اب تیری مثال ایسی ہے کہ ایک دشمن نے ہماری طرف تیر پھینکا تھا اور وہ ہم تک پہنچنے سے پہلے ہی گر گیا تھا اور تم اب وہ تیر اٹھا لائے ہو ہمارے پاس اور ہمارے پہلو میں چبھو رہے ہو۔

(حذیفہ مرتضیٰ، ایبٹ آباد)

اگر چاہتے ہو

- اگر فتح چاہتے ہو تو حواس خمسہ کو فتح کرو۔
- اگر خریدنا چاہتے ہو تو آخرت کا سودا خریدو۔
- اگر جاننا چاہتے ہو تو اللہ کے احکامات کو جانو۔
- اگر پڑھنا چاہتے ہو تو قرآن کو پڑھو۔
- اگر آنا چاہتے ہو تو غریبوں کی مدد کو آؤ۔
- اگر مٹانا چاہتے ہو تو نفرت کو مٹاؤ۔ (سیدہ فاطمہ گیلانی، کوہاٹ)



دال میں کچھ کالا ہے

زبیدہ سلطانہ

کاشی شام کو ٹیوشن پڑھ کر آیا تو ماں سے روٹی کی چنگیر اور دال کی رکابی لے کر برآمدے میں تخت پر آ بیٹھا۔ لالٹین کی دھندلی روشنی میں اسے دال میں کوئی کالی سی چیز نظر آئی تو اس نے ماں سے پوچھا: "امی جی! دال میں کچھ کالا کالا ہے۔"

"ارے کچھ نہیں! پیاز کا بگھار بناتے پیاز کا کوئی چھلکا جل گیا ہوگا۔" ماں نے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔ مگر کاشی مطمئن نہ ہوا۔ ایک دو نوالے بے دلی سے کھائے تو وہ کالی سی چیز، جسے ماں نے جلا ہوا پیاز بتایا تھا اور کاشی نے اسے انگلی کی پور سے رکابی کے کنارے کر دیا تھا، پھر دال میں تیرتی نظر آئی۔

"امی جی! یہ کیا ہے دال میں کالا سا؟ یہ پیاز نہیں ہے۔" کاشی نے منہ میں نوالہ بھرے روہانسی آواز میں پکارا۔

"ارے تو پھر کالی مرچ ہوگی، میں نے ثابت گرم مصالحہ ڈالا تھا خوشبو کے لیے۔" ماں نے جواب دیا۔

"جی نہیں! کالی مرچ کوئی ایسی ہوتی ہے، یہ کچھ اور ہی ہے کالا سا...." کاشی نے پھر ہانک لگائی۔ آخر اس کے احتجاج سے تنگ آ کر اس کا باپ کوٹھڑی سے نکلا۔ "نیک بخت! اٹھ کر روشنی میں دیکھ تو لے لڑکے کو آخر دال میں کیا کالا نظر آ رہا ہے۔"

بیوی پر خفا ہوتے ہوئے کاشی کے ابا نے رکابی اٹھائی اور لالٹین کے قریب لے جا کر انگلی سے وہ کالی چیز نکال کر غور سے دیکھی تو وہ مکھی تھی۔ یہ دیکھتے ہی کاشی اور اس کا باپ دونوں ہی ابکائیاں کرنے لگے۔ لیموں چبایا، کبھی نمک چاٹا، سیون اپ پیا، بڑی مشکل سے دونوں کی طبیعت سنبھلی تو کاشی کے ابو نے بیوی پر خفا ہوتے ہوئے کہا: "اے نیک بخت! جیسے ہی شبہ ہو کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے، فوراً اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہ کوئی نقصان دینے والی چیز تو نہیں۔"

بچو! ایسے موقع پر جب کسی بات میں شک و شبہ ہو تو لوگ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے۔



بچوں کا انسائیکلوپیڈیا

ڈاکٹر طارق ریاض خان

بھیڑ

مسلمان عیدالاضحیٰ کے موقع پر جن جانوروں کی قربانی کرتے ہیں، ان میں بھیڑ (Sheep) بھی شامل ہے۔ اس کا سائنسی نام "Ovis Aries" ہے۔ اس کا خاندان "Bovidae" ہے جب



کہ کلاس ممالیہ سے تعلق ہے۔ جگالی کرنے والے یہ جانور دُنیا کے قدیم ترین پالتو جانوروں میں سے ہیں۔ بالغ مادہ بھیڑ کو "Ewe" جب کہ بالغ نر بھیڑ کو "Ram" اور بچے کو "Lamb" کہا جاتا ہے۔ بھیڑوں سے گوشت، دودھ اور اُون حاصل ہوتی ہے۔ ایک بالغ بھیڑ کے 32 دانت ہوتے ہیں۔ یہ ریوڑ کی صورت میں چلتی ہیں۔ کوئی بوڑھی مادہ بھیڑ اس گروہ کی قیادت کرتی ہے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ بھیڑیں چین، آسٹریلیا، بھارت، ایران اور سوڈان میں پائی جاتی ہیں۔ ڈنمارک کے پڑوسی ملک "Faroe" میں 1979ء میں ڈاک ٹکٹ پر بھیڑ کو شائع کیا گیا۔ حضرت محمد ﷺ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ، حضرت داؤدؑ، حضرت اسحاقؑ وغیرہ جیسے جلیل القدر انبیاء کرام بھیڑیں چرایا کرتے تھے۔ بھیڑ کے موضوع پر دُنیا بھر میں نظمیں، کہانیاں، گیت اور ناول لکھے گئے ہیں۔

الفریڈ نوبل

نوبل ایوارڈ دُنیا کے اہم ترین اعزاز کا نام ہے جو معروف موجد، کیمیا دان، انجینئر الفریڈ نوبل (Alfred Nobel) کے نام پر ہے جس نے اپنی دولت کا 94 فی صد حصہ سائنس، فزکس، طب، کیمیا، ادب اور امن کے ایوارڈ کے لیے مختص کر دیا۔ اس کا آغاز 1895ء سے ہوا۔ فزکس کا پہلا نوبل ایوارڈ "W.C.Ronlgen" کو ملا جس نے X-rays دریافت کی تھیں۔ الفریڈ نوبل 21 اکتوبر



1833ء کو سویڈن کے شہر سٹاک ہوم میں پیدا ہوا۔ دُنیا کی 350 ایجادات میں ڈائنامیٹ، بوفرس توپیں (Bofors) بھی نوبل کی سائنسی عروج و کارناموں میں شامل ہیں۔ الفریڈ نوبل کے والد "Immanuel Nobel" بھی تارپیڈو اور پانی دوز کے موجد تھے۔ والدہ کا نام "Karolina" تھا۔ نوبل کے 8 بہن بھائی تھے جن میں الفریڈ نوبل کا تیسرا نمبر تھا۔ ایک عنصر (Element) کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

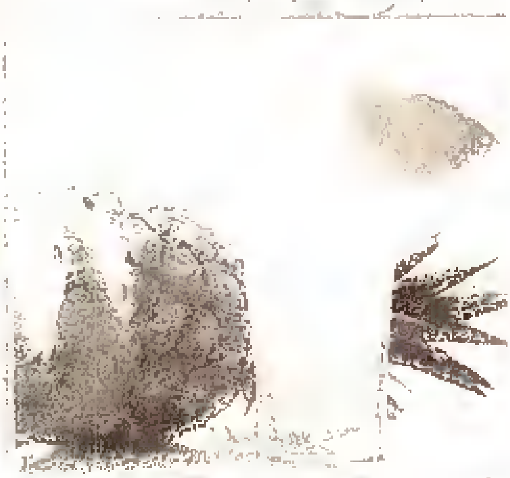
نام نوبلیئم بھی الفریڈ نوبل کے نام پر رکھا گیا ہے۔ دل کی تکلیف کے باعث الفریڈ نوبل بیمار رہنے لگا۔ 10 دسمبر 1896ء میں برین ہیمرج کے باعث داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اننناس

اننناس (Pine apple) کا تعلق خاندان "Bromelialeae" سے ہے۔ اس کا سائنسی نام "Ananas Comosus" ہے



ہے۔ اسے بحیثیت پھل، قتلے، جام، جوس مختلف انواع کی سلاد اور آئس کریم میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس پودے کا تعلق بنیادی طور پر برازیل اور پیراگوئے سے ہے۔ لفظ "Ananas" "Tupi" زبان سے لیا گیا ہے۔ جنوبی امریکہ میں اس کا مطلب ہے "شاندار پھل" ہے۔ یہ سدا بہار پودا ہے۔ 1.5 میٹر (3.3 سے 4.9



فٹ) تک اونچائی ہوتی ہے۔ اس کے پتے لمبوترے اور موٹے ہوتے ہیں جن پر 30 سے 100 سینٹی میٹر لمبے کانٹے لگے ہوتے ہیں۔ اننناس کا پھل شوگر، ریشوں، چکنائی، پروٹین، وٹامن B1، B2، B3، B5، B6، فولیٹ، وٹامن سی، کیلشیم، آئرن، میگنیز، میگنیشیم، پوٹاشیم، سوڈیم، زنک وغیرہ کا خزانہ ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے FAO کے مطابق دُنیا کے ٹاپ ممالک جو اننناس پیدا کرتے ہیں، درج ذیل ہیں۔ برازیل، فلپائن، تھائی لینڈ، کوسٹاریکا، انڈونیشیا، بھارت اور چین۔ اننناس پھل پر نظمیں، کہانیاں اور کارٹونز بھی بنائے گئے ہیں۔

انسولین



انسولین (Insulin) ایک ہارمون (Harmone) ہے جو لبلبہ (Pancrease) پیدا کرتا ہے۔ لبلبہ معدے کے پیچھے ہوتا ہے۔ لبلبے میں بیٹا سیلز (Bela Cells) پائے جاتے ہیں جو جزیرے کی طرح موجود ہیں۔ لفظ انسولین لاطینی زبان کے لفظ "Insula" سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے "جزائر"۔ یہ ہارمون ہمارے جسم میں گلوکوز کی مقدار کو قابو میں رکھتا ہے۔ اس کی کمی سے شوگر یا ذیابیطس کی بیماری ہو جاتی ہے۔ کیمیائی طور پر یہ پروٹین ہے جو ایک ارب سال پہلے جانداروں میں پیدا ہوئی۔ 1923ء میں اس ہارمون کی دریافت پر "F.Banting" اور "J.J. Macleod" کو نوبل ایوارڈ دیا گیا۔ ☆☆☆

میری بیاض سے

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

(مریم صدیقہ، گوجرانوالہ)

خونِ دل دے کر نکھاریں گے رُخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

☆

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

(کرن فاروق، گوجرانوالہ)

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی

جس کو بھی توفیق دیتا ہے خدا
آندھیوں میں وہ جلاتا ہے چراغ

(صوفیہ عبداللہ، پشاور)

تاریخ اگر ڈھونڈے گی ثانیٔ محمدؐ
ثانی تو بڑی چیز سایہ بھی نہ ملے گا

☆

منزل کی جستجو میں کیوں پھر رہا ہے
اتنا عظیم ہو جا کہ منزل تجھے پکارے

(عبداللہ ثاقب، پشاور)

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

☆

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

(آمنہ شاہد، دریا خان)

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(سحر فاطمہ، لاہور)

صبح کو باغ میں شبنم پڑتی ہے فقط اس لیے
کہ پتا پتا کرے تیرا ذکر باوضو ہو کر

(عدنان سجاد، جھنگ صدر)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

بہت ہی کم نظر آیا مجھے اخلاص لوگوں میں
یہ دولت بٹ گئی شاید بہت ہی خاص لوگوں میں

(زینب بنت اسلام، فیصل آباد)

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

(فتح محمد شارق، نوشہرہ)

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

(علی عمیر ظفر، گوجرانوالہ)

بہار کا زمانہ، یہ حسین گلوں کے سامنے
مجھے ڈر ہے باغباں کو کہیں نیند نہ آ جائے

(عبداللہ شاہ، دریا خان)

پروانے کو چراغ ہے اور بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

(معتز احمد، گجرات)

پرواز دونوں کی ہے اس اک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

(شاہ سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

عذاب کی نظروں سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ!
کیوں کہ وہ رب بڑا رحیم ہے جس کی میں گناہ گار ہوں

(ملوشہ خٹک، پشاور)



کھوج لگایئے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

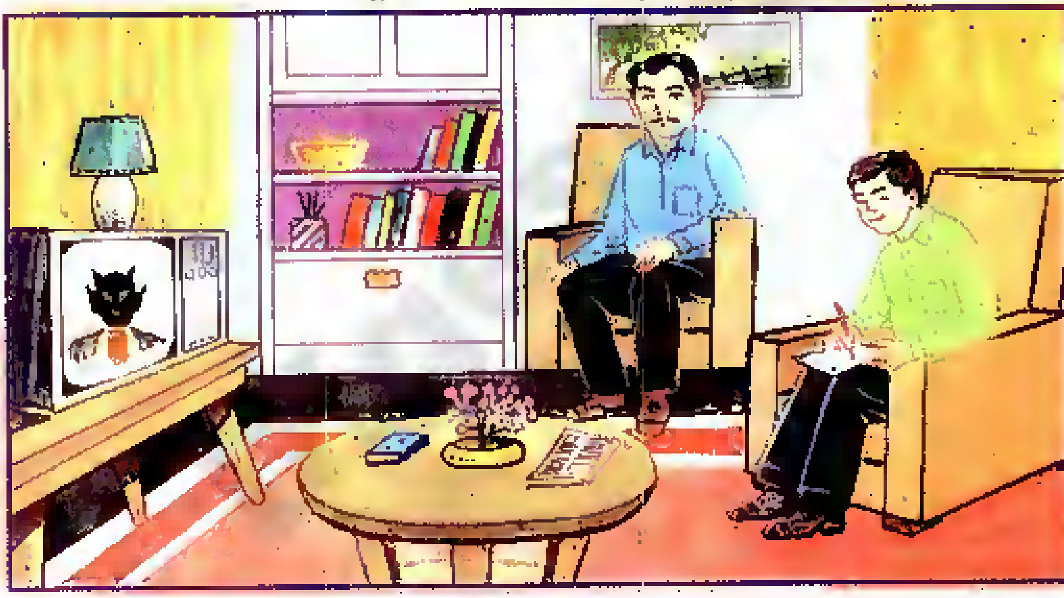
احمد ایک بہت ذہین اور ہنستی لوکا تھا لیکن حساب میں بہت کمزور تھا۔ ابا جان اکثر فارغ اوقات میں اس سے ذہنی آزمائش کے سوالات پوچھا کرتے تھے تاکہ اس کی معلومات میں اضافہ ہو اور اس کی ذہنی ورزش ہو سکے۔

شام کو ابا جان جب دفتر سے واپس آئے تو کچھ دیر انہوں نے آرام کیا۔ اس کے بعد وہ حسب معمول ٹی وی لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔ احمد کی والدہ نے پینے کے لیے چائے دی۔ جب وہ چائے پی کر فارغ ہوئے تو انہوں نے احمد کو آواز دی۔ ''احمد کاغذ پنسل لے کر آؤ۔'' احمد کاغذ پنسل لے کر آیا اور ابا جان کے قریب بیٹھ گیا۔ ابا جان نے کہا:

''احمد بیٹا! صرف اکائی یعنی ایک کے ہندسے کسی طرح بھی سات بار ایسے لکھو کہ مجموعہ 25 آئے۔''

احمد کو یہ معمہ حل کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس نے اس کا صحیح جواب لکھ کر ابا جان سے داد وصول کی۔

پیارے بچو! جواب تو بہت آسان ہے۔ آپ بھی دماغ پر زور ڈالیے اور درست جواب لکھ کر بھیجیے۔



ستمبر 2014ء میں شائع ہونے والے ''کھوج لگایئے'' کا صحیح جواب یہ ہے:

کلاس میں کل پچپن مرتبہ ہاتھ ملایا جائے گا۔ یعنی پہلا بچہ دس بچوں سے ہاتھ ملائے گا، دوسرا بچہ نو بچوں سے کیوں کہ دسویں بچے سے وہ پہلے ہی ہاتھ ملا چکا ہے۔ تیسرا بچہ آٹھ بچوں سے ہاتھ ملائے گا۔ اس طرح کل پچپن مرتبہ ہاتھ ملایا جائے گا۔

ستمبر 2014ء کے کھوج لگایئے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

1- وانیہ شیخ، حیدر آباد
2- فہد امین، گوجرانوالہ
3- صہیب نور، کراچی
4- محمد سانول، لاہور
5- فارعہ فہیم، لاہور



ہاتھی..... میرا ساتھی

رانا محمد شاہد

ہاتھی کا شمار کرۂ ارض پر خشکی کے سب سے بڑے جانوروں میں ہوتا ہے۔ کبھی یہ اعزاز ڈائنو سارز کے پاس تھا۔ ہاتھی ایک پُروقار جانور ہے۔ اس کا بھاری بھرکم جسم، بڑے بڑے پنکھ نما کان اور توپ کی نال جیسی لمبی سونڈ اسے دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ جانوروں کی دُنیا میں اسے ایک عجوبے کی شکل حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران استعمال ہونے والے ٹینک کا تصور اس عظیم الجثہ جانور کو دیکھ کر پیدا ہوا۔ وقت اور حالات نے اس جانور کو بھی مشکلات سے دوچار کیا۔ ایک وقت تھا جب دُنیا بھر کے جنگلات میں ہاتھیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ خاص طور پر افریقہ اور ایشیا کے جنگلات میں ہاتھی کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے مگر اب ان کی تعداد تیزی سے کم ہو رہی ہے۔

اس مفید جانور کے تحفظ کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ 1929ء میں ہیونج نیشنل پارک کو جو تقریباً 4600 کلومیٹر پر محیط ہے، اسے ہاتھیوں کے لیے محفوظ ترین علاقہ قرار دیا گیا۔ اس وقت یہاں صرف ایک ہزار ہاتھی رہ گئے تھے۔ ساٹھ سال بعد ان کی تعداد 23 ہزار سے تجاوز کر گئی۔

ہاتھی کو جسامت کے لحاظ سے نہایت بسیار خور جانور کہا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایک ہاتھی یومیہ 250 سے 500 پاؤنڈ خوراک کھا لیتا ہے۔ دن میں 18 گھنٹے خوراک کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ اس کے باوجود نظامِ ہضم ایسا ہے کہ 40 فیصد خوراک ہضم ہوئے بغیر خارج ہو کر ضائع ہو جاتی ہے۔

ہاتھی پانی کو بہت زیادہ پسند کرنے والا جانور ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ہاتھی سے زیادہ پانی سے تفریح حاصل کرنے والا خشکی کا کوئی دوسرا جانور کرۂ ارض پر نہیں پایا جاتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عموماً ہاتھی اپنا ٹھکانہ ندی نالوں، چشموں اور دریاؤں وغیرہ کے نزدیک بناتے ہیں۔ گرم موسم میں یہ یومیہ اوسطاً 200 لیٹر پانی پی جاتا ہے۔ یہ بات انتہائی دلچسپ ہے کہ ہاتھی ایک قسم کی سفید مٹی استعمال کر کے اپنا "میک اپ" کرتے ہیں۔ یہ ان کا کھیل بھی ہے۔

معدنی عناصر کی ضرورت کے لیے ہاتھی اپنا لنچ یا ڈنر مکمل کرنے کے بعد آبی ذخائر کے نزدیک ایسی جگہوں پر آ جاتے ہیں جہاں کی مٹی میں ایسے معدنی اجزاء موجود ہوتے ہیں جو ہاتھی کو مرغوب ہیں۔ ہاتھی مٹی بھی شوق سے کھاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ایک ہاتھی ایک سال میں تقریباً ایک ٹن مٹی ہضم کر جاتا ہے۔ ہاتھیوں کی عمر اوسطاً 65 سے 80 سال تک ہوتی ہے لیکن یہ بھی اہم ہے کہ زیادہ مٹی کھانے والے ہاتھیوں کی عمر اسی "خاک خوری" کے سبب نسبتاً کم ہو کر 55 سے 60 سال کے درمیان رہ جاتی ہے۔ ہاتھی کے تذکرے کے ساتھ ہاتھی کے دانتوں کا ذکر نہ ہو تو یہ زیادتی ہو گی۔ ہاتھی کے دانتوں کے بارے میں ایک خیال

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ ہے کہ یہ صرف ایک جوڑا ہوتا ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ ساری عمر میں ہاتھی کے دانتوں کے چھ جوڑے یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں۔ جب آخری جوڑا بھی داغِ مفارقت دے جاتا ہے تو اس کے بعد ہاتھی ایسے علاقوں کا رُخ کرتے ہیں جہاں نرم گھاس ہو جسے وہ اپنے منہ کے اندر موجود بوڑھے دانتوں سے چبا سکیں۔ اس لیے یہاں آ کر عموماً ہاتھی اپنے انجام کو بھی پہنچ جاتا ہے کیوں کہ وہ زندہ رہنے کے لیے اسی جگہ کو اپنا آخری ٹھکانہ بنا لیتا ہے۔

ہاتھی کے بارے میں ایک دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے کان پھڑپھڑاتا ہے تو عام خیال ہے کہ وہ ناراض ہو کر ایسا کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ حرکت اپنے خون کے بڑھے ہوئے درجہ حرارت کو کم کرنے کے لیے کرتا ہے۔ ہاتھی کو ''معاشرتی حیوان'' بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ بھی انسانوں کی طرح باقاعدہ قبیلہ بنا کر رہتا ہے۔ بڑے اور بزرگوار قسم کے ہاتھی چھوٹے ہاتھیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور انہیں آدابِ زندگی سکھاتے ہیں۔

ہاتھی کو انسان کا ایک خدمت گزار دوست کہا جاتا ہے۔ یہ زمانہ قدیم سے انسان کے کام آتا رہا ہے۔ خاص طور پر ایشیا اور افریقہ میں یہ بہت سے کام انجام دیتا ہے۔ بعض لوگ شیر کو نہیں بلکہ ہاتھی کو جنگل کا بادشاہ کہتے ہیں۔ ہاتھی تقریباً تمام براعظموں میں پایا جاتا ہے، تاہم براعظم افریقہ میں اس کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہاتھیوں کو جس بڑی تعداد میں اپنے مفادات کے لیے شکار کیا جا رہا ہے، اس سے اس امر کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ آئندہ سالوں میں اس عظیم الجثہ جانور کا وجود ختم ہو جائے گا اور ہم اسے اسی طرح یاد کریں گے جیسے ڈائنو سارز کو کرتے ہیں۔

افریقن جنگلی نر ہاتھی کا قد تقریباً گیارہ فٹ اور وزن سات ٹن یا چودہ سو پونڈ تک ہوتا ہے۔ اس کے کانوں کی لمبائی ساڑھے تین فٹ اور چوڑائی اڑھائی فٹ تک ہوتی ہے۔ دانت تقریباً 8 فٹ تک باہر نکل آتے ہیں۔ دونوں دانتوں کا وزن تقریباً دو سو پچاس پونڈ تک ہوتا ہے جس کی قیمت لاکھوں روپے ہوتی ہے۔ پیدائش کے وقت ہاتھی کے بچے کا وزن دو سو پونڈ اور قد تین فٹ تک ہوتا ہے۔

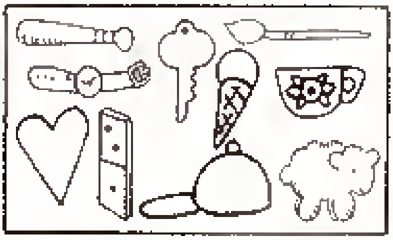
ہاتھی کے جسم کا سب سے منفرد حصہ اس کی سونڈ ہے۔ قدرت نے یہ کسی اور جانور کو عطا نہیں کی۔ اس کی سونڈ میں اتنی لچک ہے کہ اسے کسی بھی سمت میں موڑا جا سکتا ہے۔ ہاتھی کی سونڈ میں ہڈی نہیں ہوتی لیکن رگ و پٹھے اتنے سخت اور مضبوط ہوتے ہیں کہ تیز چھری بھی انہیں مشکل سے کاٹ سکتی ہے۔ سونڈ کی مدد سے وہ بھاری بھرکم درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر اپنے چاروں طرف گھما سکتا ہے۔ سونڈ ہاتھی کی ناک بھی ہے اور بازو بھی۔ اس کی سونگھنے کی حس بڑی تیز ہے۔ ہاتھی موٹا تازہ ہونے کے باوجود آسانی سے بیٹھ سکتا ہے۔ تاہم ایسا وہ بہت کم کرتا ہے۔ افریقہ میں ہزاروں ہاتھیوں کو کھڑے کھڑے سوتے دکھایا گیا ہے۔ ہاتھی کی مونچھیں بڑی سخت ہوتی ہیں۔ سرکس والے انہیں صاف کرنے کے لیے عموماً ایک ٹارچ کا استعمال کرتے ہیں جس سے وہ جل جاتی ہیں۔

ہاتھی بھی انسانوں کی طرح مل جل کر جھنڈوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ اتفاق کے ساتھ جب کسی جھنڈ پر دشمن حملہ کرتا ہے تو اس جھنڈ کے مضبوط اور جوان ہاتھی حلقہ بنا کر بچوں، بیماروں اور بوڑھے ہاتھیوں کو اپنے حلقے کے اندر لے لیتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کوئی ہاتھی زخمی ہو جائے تو اسے اٹھا کر محفوظ مقام تک پہنچاتے ہیں۔

ان خوبیوں کے ساتھ ہاتھی میں ایک عجیب رویہ خامی کی صورت میں بھی موجود ہے۔ جب ہاتھی کو غصہ آتا ہے تو وہ بے حد خطرناک ہو جاتا ہے۔ مست ہونے کی صورت میں ہاتھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ ایک مرتبہ برما میں ایک جنگلی ہاتھی نے اپنے جنگل سے ریلوے انجن گزرتے دیکھ لیا وہ یہ سمجھا کہ یہ کالا کلوٹا، بے ڈھنگا جانور ہے جو بغیر اجازت اس کے علاقے میں شور مچاتا جا رہا ہے۔ بس یہ سوچنا تھا کہ ہاتھی نے انجن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور بھاگتا ہوا انجن کے سامنے آیا اور اسے ایسی زور سے ٹکر ماری کہ خود ڈھیر ہو گیا لیکن انجن بھی پچاس ٹن وزنی ہونے کے باوجود ریلوے لائن سے اُتر کر ایک طرف گر گیا۔

اتنا سخت جان اور بھاری و بھدے جسم کے باوجود ہاتھی کا شمار سمجھ دار اور ذہین جانوروں میں ہوتا ہے۔ ماہرین کے مطابق پالتو جانوروں میں کتے کے بعد ذہانت میں کوئی دوسرا جانور ہاتھی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پاکستان، بھارت اور مشرقِ بعید میں تو ہاتھی کو ایک مدت سے بوجھ اُٹھانے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہاتھی آزادی چھن جانے کے بعد بچے نہیں دیتے جس سے ظاہر ہوا کہ ہاتھی پالتو جانور نہیں ہے۔ ☆☆

اوجھل خاکے





یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔





ماں

رب کا اِک احسان ہے ماں
پیارے نبیؐ کا مان ہے ماں
ماں کے قدموں کو چومو
جنت کا ایقان ہے ماں
باپ کا سایہ رب کا کرم
رب کے کرم کی شان ہے ماں
برکت، رحمت اور شفقت
فضل خدا کی جان ہے ماں
ماں کی رضا ہے رب کی رضا
اپنا یہ ایمان ہے ماں
دُنیا میں جس سے عظمت
عقبیٰ کا سامان ہے ماں
رب کا جس سے عرفاں ہو
اپنی وہ پہچان ہے ماں
باپ کا پیار اپنی جنت
دِرد کا درمان ہے ماں
نقویؔ، دل کے گھر میں تو
قرآں کا جزدان ہے ماں



باپ

رب اعلیٰ کا کرم ہے باپ
قبلہ و کعبہ حرم ہے باپ
ماں کی دُعا جنت کی ہوا
ماں کی دُعا کا بھرم ہے باپ
محنت، مشقت، جان فشانی
درسِ عمل ہر دم ہے باپ
پیارے نبیؐ کا رستہ دکھا دے
ایسا نقشِ قدم ہے باپ
بچہ اگر ہو علم کی رہ پر
آسودہ بے غم ہے باپ
دُنیا میں اچھا جو بھی ہے انسان
اس کا دین و دھرم ہے باپ
ماں کے قدموں میں ہے جنت
خلد قدم بہ قدم ہے باپ
فضلِ ربی ماں کا سایہ
رب کا جود و کرم ہے باپ
عز و شرف تو سب ماں سے ہے
انسانیت کا علَم ہے باپ

سید ذوالفقار حسین نقوی



اسکواش کورٹ میں پہلی بار پاکستانی پرچم لہرانے والے ہاشم خان 1914ء میں پشاور کے نواحی گاؤں "نواں کلی" میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ برس کے ہوئے تھے کہ اپنے چیف اسٹیورڈ والد عبداللہ کے ہمراہ ٹینس کورٹ جانے لگے۔ وہاں انگریزوں کو کھیلتا دیکھتے اور ٹینس کورٹ سے باہر جانے والی گیند اٹھا کر واپس کھلاڑیوں کو دیا کرتے۔ یوں وہ کم عمری میں "بال بوائے" مشہور ہو گئے۔

بال بوائے سے اسکواش کھلاڑی بننے اور سات بار برٹش اوپن جیتنے کا سفر خاصا طویل رہا۔ نوا کلی نامی گاؤں سے اُٹھنے والے طوفان نے دیکھتے ہی دیکھتے اسکواش کی دُنیا کو اپنے حصار میں لے لیا اور یوں اسکواش اور پاکستان کا نام کھیلوں کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ایک ہو گیا۔ پہلی مرتبہ 1944ء میں انہوں نے ممبئی میں آل انڈیا پروفیشنل ٹورنامنٹ جیت کر دُنیا بھر کو حیران کر دیا، پھر مسلسل تین بار ٹائٹل اپنے نام کیا۔ 14 اگست 1947ء کے بعد سے 9 اپریل 1951ء تک کسی پاکستانی کھلاڑی نے کوئی بھی انٹرنیشنل ٹورنامنٹ کسی بھی کھیل میں نہیں جیتا تھا۔

ہاشم خان نے قیامِ پاکستان کے بعد 1951ء میں پہلی بار برٹش اوپن میں حصہ لیا۔ مقابلوں میں شرکت کے لیے انہیں جنگی ساز و سامان لینے کے لیے جانے والی پاکستان ایئر فورس کی ایک خصوصی پرواز سے لندن پہنچایا گیا۔ ایونٹ میں انہوں نے ناقابلِ شکست رہتے ہوئے فائنل تک رسائی حاصل کی اور پھر مارچ 1951ء کو مصر کے عبدالباری کو ہرا کر اسکواش کورٹ میں پاکستانی فتوحات کا آغاز کیا۔ یہ فتح ہاشم خان نے لندن برٹش پروفیشنل چیمپئن شپ جیت کر حاصل کی۔ ہاشم خان نے پشاور کی جانب سے کھیلتے ہوئے "Lansdowne Club" میں برٹش اسکواش ریکٹس چیمپئن شپ کا فائنل، 29 سالہ عبدالباری کو 9-3، 8-10، 9-7، 9-4 کے اسکور سے شکست دے کر جیتا۔ اسی ٹورنامنٹ کے بعد ایڈنبرگ میں کھیلا گیا اسکاٹش اوپن چیمپئن شپ کا فائنل میچ ہاشم خان نے مصر کے کھلاڑی محمود الکریم کو 9-4، 9-0، 9-2 سے ہرا کر جیت لیا۔ یہ دو فتوحات حاصل کرنے کے بعد ہاشم خان مارچ 1951ء کے آخری دنوں میں چودھویں برٹش اوپن اسکواش چیمپئن شپ کھیلنے لندن گئے جہاں ان کا مقابلہ ایک تاریخی مقابلہ ثابت ہوا۔ یہ 9 اپریل 1951ء کا دن تھا جب فائنل میں

"Lansdowne Club" میں پانچ مرتبہ کے برٹش اوپن چیمپئن مصر کے محمود الکریم سے ہاشم خان کا مقابلہ ہوا جسے ہاشم خان نے با آسانی 9-0، 9-0، 9-5 سے جیت کر پہلی مرتبہ پاکستان کو کسی بھی کھیل کے عالمی مقابلے میں عالمی چیمپئن ہونے کا اعزاز دلوایا۔ یوں اسکواش کھیلوں کی دنیا میں پاکستان کی پہلی شناخت بنا۔

ہاشم خان نے برٹش اوپن جیت کر پاکستان کو کامیابی کی نئی راہ دکھائی۔ 35 سال کی عمر میں پروفیشنل چیمپئن بننے کے بعد انہوں نے مسلسل چھ بار یہ اعزاز اپنے نام کیا۔ آٹھویں بار فائنل میں انہیں جہانگیر خان کے والد روشن خان کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ قومی لیجنڈ ہاشم خان نے 1951ء سے 1958ء تک سات بار برٹش اوپن ٹائٹل اپنے نام کیا۔ ''اسکواش کے جادوگر'' کے نام سے مشہور ہاشم خان نے تین بار یو ایس اوپن، دو بار کینیڈین اوپن، اسکاٹش اوپن، ڈن لوپ اوپن سمیت کئی بین الاقوامی مقابلوں میں کامیابی حاصل کی۔ قومی لیجنڈ ہاشم خان نے ایک اور گراں قدر اعزاز بھی حاصل کیا۔ وہ 1977ء سے 1982ء تک مسلسل چھ مرتبہ برٹش اوپن کے ویٹرنز ٹائٹل کے حق دار بھی ٹھہرے۔ یہ بھی ایک اعلیٰ ترین اعزاز ہے۔

بچپن میں ہاشم خان کا خواب تھا کہ وہ سبز ہلالی پرچم دنیا میں لہرائیں۔ مسلسل محنت اور جدوجہد کے بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا اور اپنے بچپن کا خواب پورا کیا۔ بلاشبہ پاکستان میں کھیلوں کی دنیا میں سب سے پہلے پاکستان کو فتح دلانے اور کھیلوں کے میدان میں پاکستان کی حکمرانی کا آغاز ہاشم خان نے ہی کیا تھا۔ ٹینس کورٹ سے اسکواش کورٹ کا سفر کرنے والے یہ عظیم کھلاڑی اسکواش کی دنیا میں نمایاں رہیں گے کہ ان کی بدولت ہی دوسرے کھلاڑی بھی اسکواش کے میدان میں آئے اور نمایاں کامیابیاں حاصل کیں جن میں اعظم خان، روشن خان، محب اللہ خان، قمر زمان، جہانگیر خان اور جان شیر خان جیسے کھلاڑیوں نے اسکواش کی دنیا میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم بلند کرتے ہوئے ملک کا نام روشن کیا۔ پاکستان کے ان عظیم سپوتوں نے برٹش اوپن، ورلڈ اوپن اور پاکستان اوپن کے علاوہ اہم ترین بین الاقوامی مقابلوں میں حصہ لیا اور کامیابیاں حاصل کیں۔

سات بار برٹش اوپن چیمپئن شپ جیتنے والے اسکواش کے عظیم کھلاڑی ہاشم خان اسکواش کے کورٹ میں اپنی شان دار اور بے مثال جادوگری دکھانے کے بعد 19 اگست 2014ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ یوں اسکواش کا ایک سنہری باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ وہ گزشتہ کئی سالوں سے امریکہ میں مقیم تھے۔ وہ آخری بار 2000ء میں پاکستان آئے تھے اور پشاور میں نواکلی میں گئے۔ اس موقع پر وہ اپنی پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ پاکستانی اسکواش کی تاریخ کے عظیم کھلاڑی ہاشم خان کو اپنی تاریخ پیدائش یاد نہیں تھی لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ 1951ء میں جب پہلی بار برٹش اوپن ٹائٹل جیتا تو اس وقت ان کی عمر 35 یا 36 سال تھی۔ انہوں نے امریکہ میں چند ماہ قبل رواں سال میں اپنی 100 ویں سال گرہ منائی تھی۔ یوں عظیم کھلاڑی ہاشم خان اپنی عمر کی سنچری بنا چکے تھے۔ وہ ایک خوش مزاج اور مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے چہرے پر کھلی مسکراہٹ ان کے چاہنے والوں کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ ہاشم خان نے پاکستان میں اسکواش کے حوالے سے تاریخ کا ایک باب روشن کیا، جو اب بند ہو گیا ہے لیکن ان کے کھیل اور فتوحات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، جو دوسرے آنے والے کھلاڑیوں کے لیے بھی مشعل راہ ہے کہ کس طرح مسلسل محنت اور جدوجہد سے انسان کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ہاشم خان نے اپنے دور اور آنے والے دور کے کھلاڑیوں کے لیے بھی مثال قائم کی۔ امریکہ میں کوچنگ کے ساتھ پروفیشنل اسکواش بھی کھیلتے رہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملک و قوم کے لیے ناقابل فراموش خدمات کے پیش نظر پاکستان ایئرفورس نے 10 کورٹس پر مبنی اسکواش کمپلیکس اس عظیم کھلاڑی کے نام سے منسوب کر رکھا ہے جو کہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ عالمی اسکواش کے ممتاز مبصر جیمز زوگ نے ہاشم خان کو ''آل ٹائم گریٹس'' میں شمار کیا تھا۔ وطن عزیز میں کھیلوں میں حصہ لینے والے نوجوان کھلاڑیوں کے لیے ان کی مثال ایک رول ماڈل کی سی ہے جنہوں نے دنیائے کھیل میں ملک و قوم کا نام روشن کیا اور اسکواش کی دنیا میں پاکستان کا پرچم سربلند کیا۔ ☆☆☆



- حضرت ہود علیہ السلام کے زمانے میں قوم عاد پر قہرِ الٰہی نازل ہوا۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس زیرِ تربیت تھے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔
- حضرت سلیمان علیہ السلام حیوانوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔
- حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بیٹے کی جدائی کے سبب جاتی رہی۔
- سندھی زبان کے پہلے ناول کا نام "زینت" ہے۔
- بو علی سینا کی کتاب القانون علم طب کے موضوع پر ہے۔
- بابائے اردو مولوی عبدالحق 20 اپریل 1870ء کو پیدا ہوئے۔
- بحیرہ ابیض (White Sea) روس میں واقع ہے۔
- دریائے ایمزن سب سے چوڑا دریا ہے۔
- ڈیرہ غازی خان میں ایک ایسی چارپائی تھی جس میں بیک وقت تقریباً ڈیڑھ سو آدمی بیٹھ سکتے تھے۔
- گھڑی ہارون الرشید کے عہد میں بغداد میں ایجاد ہوئی۔
- انگریزی زبان کے مشہور شاعر "شیکسپیئر" کا باپ دستانے بناتا تھا۔
- سر درد کے لیے پیا ہوا نمک سونگھنا فائدہ مند ہے۔
- ہمارے قومی ترانے میں لفظ "پاکستان" صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔
- پاکستان کا سب سے بڑا دریا "دریائے سندھ" ہے۔
- مینار پاکستان کی اونچائی 196 فٹ 6 انچ ہے۔
- سو تک گنتی میں نو کا ہندسہ انیس مرتبہ آتا ہے۔
- دنیا کا سب سے اونچا جانور زرافہ ہے۔
- بھارت میں سب سے زیادہ بندر پائے جاتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ نے جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا۔
- قرآن کریم کی چار سورتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ہے۔

(محمد علیم نظامی، لاہور)

- برطانیہ کے شہر بریڈ فورڈ کو چھوٹا پاکستان کہا جاتا ہے۔
- دنیا کا سب سے لمبی عمر والا شخص ایک پاکستانی تھا، جس کی عمر 154 (ایک سو چون) سال تھی۔
- علامہ اقبال کے مزار کا ڈیزائن زین یار جنگ نے بنایا تھا۔
- کلمہ طیبہ میں کوئی نقطہ نہیں ہے۔
- گاڑیوں میں نمبر پلیٹ لگانے کا طریقہ برطانیہ نے شروع کیا۔
- یادگار پاکستان کا نقشہ مراد خان نے تیار کیا تھا۔
- مشہور سائنس دان ڈالٹن کو رنگوں کی شناخت نہیں تھی۔
- چاند پر کھڑے ہو کر آسمان سیاہ رنگ کا نظر آتا ہے۔
- اردو زبان کے شاعر سعادت یار خان رنگین نے شیطان کی شان میں قصیدہ لکھا۔

(فرخ حیات، پیر محل)

- برازیل کی شہد کی مکھیوں کا شہد کڑوا ہوتا ہے۔
- نیوزی لینڈ ایک ایسا ملک ہے جس میں سانپ نہیں پائے جاتے۔
- ٹریفک قوانین کے اشارے پہلی مرتبہ امریکہ کے پارلیمنٹ میں نصب کیے گئے۔
- پاکستان کی سب سے بڑی عوامی لائبریری لاہور میں واقع ہے۔
- سب سے زیادہ ایٹمی دھماکے امریکہ نے کیے جن کی تعداد 1048 ہے۔
- آدم خور درخت افریقہ میں پایا جاتا ہے جس کا چھلکا سونگھنے سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے۔
- دنیا کا امیر ترین ملک سوئٹزرلینڈ ہے۔
- عجوہ کھجور کا درخت حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا۔
- انسانی جسم کی سب سے چھوٹی ہڈی کان میں پائی جاتی ہے۔
- حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے تھے۔
- جوزف لسٹر نے پہلی مرتبہ جراثیموں سے پاک سرجری کا خیال پیش کیا۔

(حبیب گلزار، سرگودھا)



''پاپا...... ہم بکرا لینے کب چلیں گے؟'' تیرہ سالہ سلیم کے پاپا جب ناشتے کی میز پر آئے تو سلیم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ کافی دنوں سے اپنے پاپا سے بکرا لینے کی فرمائش کر رہا تھا۔

''سوری بیٹا...... شاید اس بار میں قربانی نہ کر سکوں۔'' سلیم کے پاپا نے جواب دیا تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

''کیوں پاپا...... آپ اس عید پر قربانی کیوں نہیں کر سکتے؟'' سلیم کے لہجے میں حیرت تھی۔

''بیٹا...... بکروں کی قیمتیں آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں اور میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں بکرا خرید سکوں۔'' سلیم کے ابو نے کہا۔

''پچھلے سال تو آپ نے قربانی کی تھی۔'' سلیم نے کہا۔

''پچھلے سال حالات اور تھے بیٹا...... اور اس سال حالات اور ہیں۔'' سلیم کے ابو نے بتایا تو سلیم کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔

''پاپا...... آپ بکرا لے لیں...... آپ کسی سے ادھار پیسے لے لیں...... پلیز پاپا...... مجھے بکرا چاہیے...... پاپا آپ نہیں جانتے، میں شام کو باہر جاتا ہوں تو جمیل اپنے بکرے سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ وہ مجھے چڑاتا ہے کہ انہوں نے تو بکرا لے لیا ہے، آپ کے ابو نے کیوں نہیں لیا۔ اس لئے آپ مجھے بکرا لے دیں تاکہ میں بھی انہیں دکھا سکوں کہ ہم نے بھی بکرا لے لیا ہے۔'' سلیم نے کہا تو اس کے ابو مسکرا دیئے۔

''گویا تم دکھاوا کرنا چاہتے ہو۔'' سلیم کے پاپا نے کہا۔

''پاپا...... کیسا دکھاوا......؟ میں کچھ نہیں جانتا...... آپ مجھے بکرا لے دیں۔'' سلیم نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''سلیم...... بیٹا ضد نہیں کرتے۔ تمہارے پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' سلیم کی امی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو سلیم نے منہ بنا لیا۔

''اچھا...... اچھا! میں اپنے باس سے بات کرتا ہوں۔ اگر انہوں نے مجھے ایڈوانس تنخواہ دے دی تو ہم بکرا لے آئیں گے۔'' سلیم کے ابو نے کہا تو سلیم کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

''تھینک یو پاپا۔'' سلیم نے مسکرا کر کہا۔

''چلو اب ناشتہ کرو۔ تمہیں اسکول سے دیر ہو جائے گی۔'' سلیم کی امی نے اس بار اس سے مخاطب ہو کر کہا تو سلیم نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ناشتہ کرنے لگ گیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے پاپا کے ساتھ موٹر بائیک پر سوار ہو کر اسکول چلا گیا۔

سکول کھل چکے تھے۔ سلیم آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے والد ایک فیکٹری میں منیجر کے عہدے پر فائز تھے، اس لئے ان کی تنخواہ اچھی تھی۔

عید الاضحیٰ کی آمد آمد تھی۔ سلیم کے محلے کے بہت سے لوگوں نے بکرے لے لئے تھے۔ اس کے ابو بھی ہر سال قربانی کرتے تھے۔ جمیل، سلیم کا پڑوسی تھا۔ اس کے ابو چند روز پہلے ہی بکرا منڈی سے ایک موٹا بکرا خرید لائے تھے اور جمیل اسکول سے آنے کے بعد جلدی جلدی ہوم ورک کرتا تھا، پھر وہ بکرا لے کر گھر سے باہر آ جاتا تھا۔ اگر اسے سلیم مل جاتا تو وہ اسے چڑاتا تھا کہ دیکھو اس کے ابو کتنا موٹا بکرا لائے ہیں تو سلیم اُداس ہو جاتا تھا۔ آج اس نے اپنے پاپا سے بکرا لینے کی ضد کی تھی۔

شام کو سلیم کے پاپا گھر آئے تو انہوں نے سلیم کو خوشخبری سنائی کہ انہیں باس سے پیسے مل گئے ہیں اور وہ کل بکرا منڈی میں بکرا خریدنے جائیں گے۔ سلیم بے حد خوش ہوا۔

اگلے دن اتوار تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد سلیم اور اس کے پاپا بکرا منڈی پہنچ گئے۔ بکرا منڈی میں بہت سے بیوپاری اپنے اپنے بکروں کو لئے کھڑے تھے۔ سلیم کے پاپا نے ایک بیوپاری سے ایک موٹا اور درمیانے قد کا بکرا خریدا اور گھر آ گئے۔ سلیم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

سلیم بھی اب شام کو اپنے بکرے کو لے کر باہر نکل جاتا اور اسے گلی محلوں میں پھراتا رہتا۔ اس کا سر فخر سے بلند ہوتا تھا۔ ایک دن سلیم اپنے بکرے کو محلے میں لئے پھر رہا تھا کہ اسے جمیل مل گیا۔ اس کا بکرا بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے سلیم کا بکرا دیکھا تو اس نے اس کا مذاق اڑایا۔

''ارے اتنا چھوٹا بکرا، یہ تو میرے بکرے کے آگے کچھ نہیں ہے۔ میرا بکرا تو بہت موٹا اور بڑا ہے۔ وہ تمہارے بکرے کو ایک ہی ٹکر میں ڈھیر کر دے گا۔''

''ہونہہ۔ میرا بکرا بھی تمہارے بکرے سے کم نہیں ہے اور یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ تمہارا بکرا میرے بکرے کو ایک ہی ٹکر میں ڈھیر کر سکتا ہے۔'' سلیم نے جھٹ سے جواب دیا تو جمیل کے چہرے پر غصے کے تاثرات اُبھر آئے۔

''اچھا...... تو پھر ہو جائے مقابلہ؟'' جمیل نے کہا۔

''ہاں...... ہو جائے۔'' سلیم نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے...... چلو میدان میں مقابلہ کراتے ہیں ان کے درمیان...... اگر میرا بکرا جیت گیا تو وہ چیمپئن کہلائے گا اور اگر تمہارا بکرا جیت گیا تو وہ چیمپئن ہو گا۔'' جمیل نے کہا۔

''مجھے منظور ہے۔'' سلیم نے ہامی بھر لی۔

''چلو پھر۔'' جمیل نے کہا اور وہ دونوں اپنے اپنے بکرے لئے محلے کے میدان کی طرف بڑھ گئے۔ وہ ایک چھوٹا سا میدان تھا جہاں محلے کے بچے کھیلنے آتے تھے۔ اس وقت وہاں محلے کے بچوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ جب جمیل نے بچوں کو بکروں کے مقابلے کا بتایا تو وہ سب خوش ہو کر دائرے کی صورت میں جمع ہو گئے۔ جمیل اور سلیم اپنے اپنے بکرے لئے کھڑے تھے، پھر انہوں نے دونوں بکروں کو ایک دوسرے کی طرف بڑھایا تو دونوں بکروں نے اپنے اپنے سر ایک دوسرے سے ملا دیئے۔ جمیل اور سلیم اپنے اپنے بکروں کی رسیاں چھوڑ کر پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں بکرے اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر حملے کرنے لگے۔ وہاں موجود بچے محظوظ ہو رہے تھے اور تالیاں بجا رہے تھے۔ اسی لمحے جمیل کے بکرے نے سلیم کے بکرے کو زوردار ٹکر ماری تو اس کا ایک سینگ ٹوٹ کر زمین پر آ گرا جسے سلیم نے اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر بچے ایک بار پھر زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ اسی لمحے جمیل کے بکرے نے ایک بار پھر سلیم کے بکرے کو ٹکر ماری تو وہ زمین پر گر گیا۔ جمیل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ اس کا بکرا چیمپئن بن گیا تھا۔ سلیم اپنے بکرے کو لے کر گھر آ گیا۔ اس کے پاس گم موجود تھی۔ اس نے گم سے بکرے کا ٹوٹا ہوا سینگ جوڑنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں جڑ رہا تھا۔ اسی لمحے اس کے پاپا وہاں آ گئے۔ انہوں نے جب بکرے کا ٹوٹا ہوا سینگ دیکھا تو حیران رہ گئے۔

''سلیم! بکرے کا سینگ کیسے ٹوٹ گیا ہے؟!''

''جمیل کے بکرے نے توڑا ہے۔'' سلیم نے جواب دیا تو وہ حیران رہ گئے۔

''اوہ! اس نے کیسے توڑا ہے...... کیا تم نے دونوں بکروں کی لڑائی کرائی تھی؟!'' سلیم کے پاپا نے پوچھا تو سلیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اوہ! یہ تم نے کیا کیا ہے۔ اب ہم قربانی کرنے سے محروم ہو

گئے ہیں۔" سلیم کے پاپا نے افسوس بھرے لہجے میں کہا تو سلیم حیران رہ گیا۔ اسی لیے سلیم کی امی بھی وہاں آ گئیں۔

"کیا ہو گیا ہے؟" انہوں نے سلیم کے پاپا سے پوچھا۔ پھر جب ان کی نظر بکرے کے ٹوٹے ہوئے سینگ پر پڑی تو وہ بے اختیار چونک پڑیں۔

"ارے..... یہ بکرے کا سینگ کیسے ٹوٹ گیا ہے؟" وہ حیرانی سے بولیں تو سلیم کے پاپا نے بتا دیا۔

"اب تو اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں۔" سلیم کے پاپا نے افسوس بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"پاپا..... ہمارے بکرے کی قربانی کیوں نہیں ہو سکتی؟" سلیم کی سمجھ میں ابھی تک اپنے پاپا کی بات نہیں آ رہی تھی۔

"بیٹا..... اگر قربانی کے بکرے کا سینگ ٹوٹ جائے یا کوئی بکرا بیمار ہو جائے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم اپنے بکرے کی قربانی نہیں کر سکتے۔ ہم ثواب سے محروم ہو گئے ہیں۔" سلیم کے پاپا نے بتایا تو سلیم کو بھی افسوس ہونے لگا کہ اس کی وجہ سے بکرے کا سینگ ٹوٹا ہے۔

"ابو..... مجھے معاف کر دیں..... یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔" سلیم نے کہا۔

"جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا..... بچے بکروں کو پا کر بہت خوش ہوتے ہیں اس لئے انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ اگر کسی بکرے کا سینگ ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی نہیں کی جاتی۔ تمہیں معلوم ہوتا تو شاید تم کبھی بھی بکروں کو آپس میں نہ لڑاتے۔ ویسے بھی جانوروں کو ایک دوسرے سے لڑانا اچھی بات نہیں ہے۔ یہ بے زبان ضرور ہیں لیکن یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کو یہ پسند نہیں ہے کہ اس کی مخلوق کو آپس میں لڑایا جائے۔" سلیم کے پاپا نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

"سوری پاپا..... میں بے حد شرمندہ ہوں..... مجھے واقعی معلوم نہیں تھا۔" سلیم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، اب تو پتا چل گیا ہے۔ آئندہ احتیاط کرنا۔" سلیم کے پاپا نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پاپا..... اب اس بکرے کا کیا کریں گے؟"

"عید کے بعد اس کی قربانی کریں گے۔" اس کے پاپا نے کہا تو سلیم کے چہرے پر افسوس کے تاثرات اُبھر آئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ کبھی بھی جمیل کے بکرے سے اپنے بکرے کی لڑائی نہ کرواتا۔

سلسلہ "کھوج لگائیے" میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

علینہ احمد، راولپنڈی۔ رافع یاسر، لاہور۔ تسنیم عبدالمجید، قصور۔ ہمایوں رشید، اسلام آباد۔ رقیہ تبسم، فیصل آباد۔ شیخ محمد طارق، خوشاب۔ ثنا حافی، لاہور۔ مصباح اکرم، لاہور۔ رودا فاطمہ عمر، راولپنڈی۔ مریم یوسف، حیدرآباد۔ سید ادیب احمد، کراچی۔ حسیب جاوید، کراچی۔ صدام حسین قادری، محمد نوید قادری، کاموکی۔ حافظہ ثنا عروج، فیصل آباد۔ فیاض انور، گوجرانوالہ۔ لائبہ شہزاد، راولپنڈی۔ محمد حبیب اللہ، محمد عبدالرحمٰن، لاہور۔ محمد زبیر عبیداللہ، شیخوپورہ۔ محمد اسامہ ملک، راولپنڈی۔ عشیہ نور، سیالکوٹ۔ محمد ابوبکر ناصر، لاہور۔ محمد ہارون صادق، لاہور۔ تحریم فاطمہ، لاہور۔ عائشہ فاطمہ، گوجرانوالہ۔ حافظ محمد ذکوان، میانوالی۔ اشفاق احمد، حسن ابدال۔ ذیشان احمد صدیقی، میانوالی۔ محمد تیمور خان، مظفرگڑھ۔ رانا بلال احمد، بھکر۔ خدیجہ رباب، اٹک۔ عطا وحید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ زاکش خورشید، ایبٹ آباد۔ محمد اکبر ناصر، محمد عرفان طارق، لاہور۔ شفق فاطمہ، راولپنڈی۔ زینب ارشد، ڈسکہ۔ جنید احمد رضا، ملتان۔ محمد زبیر مقصود، محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ حمزہ فاروق بٹ، گوجرانوالہ۔ ملک محمد سلمان، راولپنڈی۔ اقصیٰ سجاد، راولپنڈی۔ فریحہ سعید، وحنہ سعید، میانوالی۔ محمد طلحہ سلمان، لاہور۔ رمشہ آفتاب، کراچی۔ حافظ عابد، کراچی۔ سمیعہ توقیر، کراچی۔ عائشہ ذوالفقار، لاہور کینٹ۔ معیز اعتزاز، اٹک۔ محمد رضوان، میانوالی۔ شیخ الحسن، سیالکوٹ۔ خدیجہ مادثور، فیصل آباد۔ حمزہ عدنان، لاہور۔ حبیبہ الفت، لاہور۔ کومل صادق چوہدری، گوجرانوالہ۔ عیشا مجید غوری، پشاور۔ اسما ارشد، فاطمہ ذوالفقار، فائقہ زید ملک، احمد عمر، عظام ایوب، تحریم رضا، لاہور۔ رشنا احمد، کراچی۔ محمد صبیح اوجلہ، گکھڑ۔ عائشہ وحید، بہاولپور۔ ثنا اعجاز، جوہرآباد۔ صداقت علی، لاہور۔ عظیم ڈوگر، ملتان۔ حافظ محمد معیب، وزیرآباد۔ عثمان بن وحید، اسلام آباد۔ عادل ناظم، منڈی بہاؤالدین۔ احمر خان، نوشہرہ۔ حافظ عزیز، فیصل، بہاولپور۔ نگہت مریم، لاہور۔ محمد عبید اکرم شریف، میانوالی۔ زینب ناصر، فیصل آباد۔ محمد احمد خان غوری، بہاولپور۔ عابد رحمٰن، لاہور۔ منیبہ توقیر، لاہور۔ قطب صغیر، منڈی بہاؤالدین۔ ازوکی امان اللہ، لاہور۔ مریم صدیقہ، گوجرانوالہ۔ محمد شکیب مسرت، بہاولپور۔ طلحہ اعجاز، سوات۔ خدیجہ شوکت، فیصل آباد۔ محمد طیب اشرف اعوان، لاہور۔ احسن محمود، کراچی۔ عبدالمقیت، فیصل آباد۔

WWW.PAKSOCIETY.COM



اشفاق احمد

غلام حسین میمن

22 اگست 1925ء کو ڈاکٹر محمد خان کے گھر ضلع فیروز پور میں جنم لینے والے اشفاق احمد نے اپنی زندگی میں جو بھی کام کیے، وہ یادگار ہو گئے۔ ان کی وجۂ شہرت افسانہ نگار، ڈرامہ نویس اور استاد کی حیثیت سے رہی مگر انہوں نے جس شعبے میں بھی کام کیا وہاں اُستاد ہی نظر آئے۔

قیامِ پاکستان کے وقت وہ بی اے کی سند لے کر لاہور آ گئے اور دفتر روزگار کی معرفت مہاجر کیمپ میں کلرک کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ وہیں ممتاز مفتی اور محمد شفیع دہلوی بھی موجود تھے۔ ان ہی دنوں ان کی اچانک ملاقات بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سے ہوئی۔ قائداعظم نے انہیں حکم دیا کہ یہ روٹی کھا کر دکھاؤ۔ انہوں نے فوراً ایک نوالہ توڑ کر منہ میں رکھ لیا۔ قائداعظم اس کیمپ میں مہاجروں کا دُکھ بانٹنے اور ان کی حالتِ زار کا جائزہ لینے آئے تھے۔

بی اے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے اُردو کیا۔ جب ان کا نتیجہ آیا تو ان دنوں وہ آزاد کشمیر ریڈیو پر ممتاز مفتی اور یوسف ظفر کے ہمراہ ریڈیو پروگرام کرتے تھے۔ وہ اشفاق احمد کو اصرار کر کے اپنے ساتھ لے آئے اور یوں دیال سنگھ کالج میں شاگردوں کو اُردو پڑھانے لگے۔

ابھی وہ دیال سنگھ میں ہی تھے کہ ایک روز اٹلی کی حکومت نے حکومتِ پاکستان کو خط لکھا کہ ہم روم میں یونی ورسٹی کے لیے اُردو کا اُستاد چاہتے ہیں جو ساتھ ہی ساتھ ہمارے ریڈیو پر بھی اُردو میں پروگرام پیش کرے۔ یعنی ایک ہی شخص میں دونوں خوبیاں ہونی چاہئیں۔ اس وقت ایسی شخصیت اشفاق احمد ہی کی تھی۔ یہ سن 52-1951ء کی بات ہے۔ اشفاق احمد روم پہنچ گئے۔ وہاں ان کی مصروفیت صبح روم یونی ورسٹی اور شام کو ریڈیو پر ہوتی تھی۔

وہیں ان کے ساتھ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے اُستاد کی اہمیت کو واضح کیا: ایک روز ان کی کار سے زائد دھواں خارج ہونے پر ان کا چالان ہو گیا۔ وہ تین روز تک وہ چالان کی رقم جو قریبی پوسٹ آفس میں جمع کروانی تھی، بھول گئے۔ بالآخر عدالت سے بلاوا آ گیا۔ وہ عدالت پہنچے تو جج نے ان سے پوچھا کہ آپ نے جرمانے کی رقم ادا نہ کر کے متعلقہ عملے اور عدالت کا وقت کیوں ضائع کیا؟ اشفاق احمد نے جواب دیا کہ میں یہاں اجنبی ہوں اور یہاں کے طریقہ کار سے ناواقفیت کی بناء پر ایسا ہوا۔ جج نے دریافت کیا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں روم یونی ورسٹی میں اُستاد ہوں۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ جج نے انتہائی ادب سے ان سے کہا کہ آپ جیسے اُستادوں کی بدولت آج ہم اس مقام تک پہنچے ہیں۔ ہماری تعلیم اور ترقی میں اُستاد کا اہم کردار ہے۔ آپ برائے مہربانی آج ہی جرمانے کی یہ رقم جمع کرا دیں۔ عدالت آپ پر مزید کوئی جرمانہ عائد نہیں کرنا چاہتی۔ جب اشفاق احمد جانے لگے تو جج اور عدالتی عملہ انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے۔

اُستاد کا ایسا احترام ہی قوموں کو بڑا بناتی ہے۔

بعد میں انہوں نے فرانس سے فرانسیسی زبان میں ڈپلومہ حاصل کیا اور نیویارک (امریکہ) سے ریڈیائی نشریات کی تعلیم حاصل کی۔ روم یونی ورسٹی کے بعد جب وہ پاکستان آئے تو اپنا پبلشنگ ادارہ "داستان سرائے" اور رسالہ "داستان گو" جاری کیا۔

1958ء میں وہ ہفت روزہ لیل و نہار کے مدیر بنے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اورینٹل کالج لاہور میں پنجابی پڑھائی۔ چار سال تک آر سی ڈی کے علاقائی ثقافتی ادارے میں کام کیا۔ ان کی ملازمت کا آخری دور اُردو سائنس بورڈ پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں انہوں نے 23 سال تک کام کیا۔ وہاں انہوں نے سائنس کے مضامین کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے کے لیے کئی اقدامات کیے اور اُردو زبان کو سائنس کی کئی قیمتی ترجمہ شدہ کتابوں کے ذخیرہ سے مالا مال کیا۔

انہوں نے ریڈیو پر ایک کردار تلقین شاہ تخلیق کیا جسے وہ خود ہی ادا کرتے تھے۔ یہ پروگرام ریڈیو پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین پروگرام ثابت ہوا۔ اس پروگرام میں معاشرے کے مسائل کو اُجاگر کر کے ان کے حل کی جانب نشان دہی کی جاتی تھی۔

پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے انہوں نے کئی اصلاحی ڈرامے لکھے جو شاہکار ثابت ہوئے۔ یہ ڈرامے بے حد مقبول ہوئے۔ ان میں سیریز "ایک محبت سو افسانے" اور سیریل "من چلے کا سودا" سرِ فہرست ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری تین سال تک وہ پی ٹی وی پر پروگرام "زاویہ" پیش کرتے رہے۔ ہر ہفتے نشر ہونے والے اس پروگرام میں ان کے ہمراہ نوجوان بیٹھے ہوتے تھے جنہیں وہ اپنے تجربات سے آگاہ کر کے علم و دانش کے موتی لٹاتے تھے۔ بعد میں یہی پروگرام "زاویہ" کے نام سے تین کتابی حصوں میں بھی شائع ہوا۔ "گڈریا" ان کا مشہور افسانہ ہے۔ ان کی دیگر کتابوں میں اُجلے پھول، توتا کہانی اور قلعہ کہانی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اپنے ٹی وی پروگرام "زاویہ" کا اختتام ہمیشہ وہ اس دُعا کے ساتھ کرتے تھے: اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آسانیاں بانٹنے والا یہ درویش ہم سے 17 ستمبر 2004ء کو جدا ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی تمغۂ حسنِ کارکردگی، ستارۂ امتیاز اور ہلالِ امتیاز عطا کیا تھا۔ ☆☆☆

آئو بچو کہانی لکھیں!

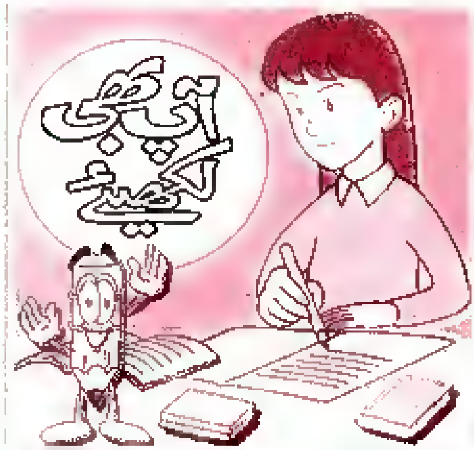
پیارے بچو! آپ یہ جو اچھی اچھی کہانیاں اپنے اس پیارے رسالے میں پڑھتے ہیں تو کیا آپ نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ آپ کے یہ محبوب لکھاری آپ کے لیے اتنی اچھی اچھی کہانیاں کیسے لکھ لیتے ہیں.....؟ نہیں! تو آئیں ہم آپ کو بتائیں کہ کہانیاں کیسے لکھی جاتی ہیں۔

کہانی لکھنے کے لیے سب سے پہلے تو اس کا خاکہ دماغ میں سوچا یا بنایا جاتا ہے یا اس کا بنیادی خیال سامنے رکھا جاتا ہے۔ تقریباً تمام کہانیاں کوئی نہ کوئی اخلاقی یا تعمیری سبق اپنے اندر رکھتی ہیں۔ بچے عام طور پر حیرت انگیز واقعات اور بہادری سے بھرپور قصے بڑی دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ پریوں، پرستان، جنوں، شہزادوں وغیرہ کی داستانیں بھی ان کو بہت پسند آتی تھیں۔ کسی بھی قسم کی کہانی لکھنے کے لیے چار بنیادی باتیں اور اہم ترین نکات یہ ہیں: 1۔ بنیادی خیال 2۔ مختصر خاکہ 3۔ مزے دار اور دل چسپ انداز بیان 4۔ اخلاقی فائدہ یا نتیجہ و انجام۔

بچو! ایک اور اہم بات ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ کہانی اور مضمون میں ایک خاص فرق ہوتا ہے۔ مضمون لکھنے میں عموماً یہ کوشش کی جاتی ہے کہ وہ مذاق اور دل لگی کی باتوں سے پاک ہو، سنجیدگی پر مشتمل ہو جب کہ کہانیوں میں فرضی کرداروں اور واقعات کو اس قدر دل چسپ اور چٹ پٹا بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والا اس سے لطف اندوز ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بچو! ابھی اگر آپ کوئی کہانی لکھیں گے تو اس میں لطف اور چٹ پٹا پن پیدا کرنے کے لیے آپ کو خوب مہارت اور مشق کی ضرورت پیش آئے گی۔ مہارت حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ آپ اچھی اچھی کہانیوں کی کتابوں اور رسائل کا فارغ اوقات میں خوب مطالعہ کریں۔ ان میں دی گئی کہانیوں کے طرزِ تحریر پر خوب غور کیا کریں۔ اس سے نہ صرف آپ کی اُردو انشا پردازی بہتر ہوگی، بلکہ آپ کی اخلاقی تعمیر و تربیت بھی خوب سے خوب تر ہوتی چلی جائے گی۔

بچو! امید ہے کہ اب آپ بہتر طور پر کہانی لکھنے کی کوشش کریں گے۔

(ڈاکٹر نجم احمد ادیب)



انوکھا کھیل

(اقرا، سیف، فیصل آباد)

بہت سال پہلے جنت پور گاؤں میں ایک سرکاری اسکول بنایا گیا تھا۔ اس پورے گاؤں میں ایک ہی اسکول ہونے کی وجہ سے چوہدریوں اور مزارعوں کے بچے ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے جس سے امیری غریبی کا فرق مٹ گیا تھا۔ سب ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ ہر طرف محبتیں ہی محبتیں تھیں۔ نفرت کا دُور دُور تک کوئی گزر نہیں تھا کہ اچانک اسکول میں بچے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ محبتیں کہیں کھو گئیں اور نفرتوں نے جگہ لے لی۔ مس حریم جو اس اسکول کی پرنسپل تھیں، وہ اس ساری صورت حال سے بہت پریشان تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ پورے اسکول کو محبتوں کا درس دیں اور نفرتیں مٹا دیں لیکن کوئی ایسی صورت ہو جس سے بچے سبق حاصل کریں۔ بہت سوچنے کے بعد مس حریم نے ایک کھیل تجویز کیا۔ انہوں نے اسکول کے تمام بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ ”پیارے بچو! آج ہم ایک کھیل کھیلیں گے۔ آپ جتنے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں، اتنے اتنے ٹماٹر ایک پلاسٹک بیگ میں ڈال کر کل اسکول لائیں گے۔“ تمام بچے کھیل کا سن کر پُرجوش ہو گئے۔

اگلی صبح سب بچے جتنے لوگوں سے نفرت کرتے تھے، اتنے اتنے ٹماٹر پلاسٹک بیگ میں ڈال کر لے آئے۔ کسی کے بیگ میں دو ٹماٹر تھے اور کسی میں پانچ۔ مس حریم نے سب بچوں کے بیگز دیکھنے کے بعد کہا۔

”اب ان پلاسٹک بیگز کو مضبوطی سے بند کر دیں۔ انہیں ہر وقت آپ نے اپنے ساتھ رکھنا ہے اور پورے ایک ہفتے بعد ہم انہیں کھولیں گے۔“ بچوں نے مس حریم کی بات مان لی۔ وہ ہر وقت اپنے ٹماٹروں والے بیگ کو ساتھ لیے پھرتے لیکن تیسرے ہی دن بچے اس کھیل سے اُکتا گئے کیوں کہ ایک تو ٹماٹر گلنے سڑنے کی وجہ سے تعفن پیدا کر رہے تھے اور دوسرا جن کے پاس ٹماٹر زیادہ تھے وہ اس بوجھ کو اُٹھانے سے بے زار تھے۔ سب بچوں نے مس حریم کو کھیل ختم کرنے کا کہا۔

”ٹھیک ہے بچو! ہم اس کھیل کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔ پہلے آپ سب یہ بیگز باہر پڑے کوڑے والے ڈرم میں ڈال کر آئیں۔ سب بچے فوراً بیگ ڈرم میں ڈال کر ہاتھ دھو کر آئے تو ان کے چہروں پر تازگی کے ساتھ ساتھ تجسس بھی تھا اور وہ منتظر تھے کہ وہ اس کھیل کا مقصد اور نتیجہ جان سکیں۔ مس حریم نے سب بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”بچو! آپ نے دیکھا کہ آپ جتنے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں ان کی علامت کے طور پر ٹماٹر ساتھ رکھنا کتنا مشکل اور تکلیف دہ کام ہے۔ جب ہم کسی سے نفرت کرتے ہیں تو اس کا احساس ہمارے دل میں رہتا ہے۔ یہ احساس، یہ سوچ ان ٹماٹروں کی طرح جب کئی دنوں تک پڑی رہتی ہے تو بدبو پیدا کر دیتی ہے، تعفن پھیلا دیتی ہے۔ ذرا سوچیے! ہم کتنے مہینوں اور سالوں سے یہ بدبو بھرا اور تعفن زدہ احساس اپنے دل میں لیے پھر رہے ہیں۔ کیا ہمارا دل اس سے نہیں اُکتاتا؟ کیا اس گندگی سے ہمارے دل و دماغ میلے نہیں ہو جاتے؟

اگر ہم بدبو اور تعفن کی جگہ محبت جیسا خوشبو انگیز احساس دل میں رکھیں تو ہمارا دل خوش نہیں ہوگا؟ ہمیں چاہیے کہ نفرتوں کا بوجھ اُٹھانے کی بجائے محبت کی خوشبو میں زندہ رہیں۔“ مس حریم کی بات سب بچوں کے دل کو لگی۔ تمام بچوں نے آئندہ نفرت کے بوجھ تلے دبنے کی بجائے محبت سے رہنے کا فیصلہ کیا۔

(پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

چھوٹوں پر رحم

(انشا ولید، راولپنڈی)

”سیب، مالٹا، انگور......“ ننھا عمر مزے سے کاپی پر تصویریں بناتا ہوا گنگنا رہا تھا۔ اچانک اس کی گنگناہٹ تبدیل ہو گئی۔ ”یہ امی...... یہ ابو...... یہ آپی...... یہ......“ وہ چھوٹا سا دائرہ بنا کر نیچے لمبی لکیروں سے ٹانگیں بنا رہا تھا۔

اسی اثناء میں اسماء اندر داخل ہوئی۔

"عمر! کیا کر رہے ہو!" اس نے ڈانٹ کر پوچھا۔ عمر سہم گیا اور جونہی اسماء کی نظر اس کے "شاہکاروں" پر پڑی تو ایک زور دار تھپڑ اڑھائی سالہ عمر کے گال پر پڑا۔ "بدتمیز! میری ساری کاپی خراب کر دی ہے۔" عمر کے حلق سے ایک آواز نکلی اور پھر وہ روتا چلا گیا۔

امی نے چونک کر باورچی خانے کے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے نکل کر عمر کو اُٹھا لیا۔ اسماء بستر پر منہ بنائے لیٹی تھی۔

"کیا ہوا ہے عمر کو......؟" انہوں نے اسماء سے پوچھا۔

"عمر نے میری ساری کاپی گندی کر دی ہے۔ میں اسے کیسے مناؤں؟" وہ روہانسی ہوگئی۔

"اسماء اتنی سی بات پر عمر کو مارا ہے؟" امی نے تاسف سے کہا۔

"امی جی! اتنی سی بات نہیں ہے۔ مس سلمیٰ جو ڈنڈے ماریں گی، وہ کون کھائے گا؟" اسے کافی غصہ تھا۔ امی بغیر جواب دیے باہر آگئیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اسماء غصے میں ہے اور وہ غصے میں بات نہیں سمجھے گی۔

اگلے دن اتوار تھا۔ اسماء ناشتا کر کے برآمدے میں آگئی۔ جویریہ باجی برآمدے میں بیٹھی کڑھائی کر رہی تھیں۔ وہ پاس بیٹھ کر سبق یاد کرتے ہوئے دل چسپی سے انہیں دیکھنے لگی۔ کسی کام سے باجی اٹھیں تو اس نے چپکے سے دو چار ٹانکے بھر دیے۔ باجی واپس آ کر دوبارہ کڑھائی کرنے لگیں۔ "اسماء! یہ ٹانکے آپ نے بھرے ہیں؟" باجی نے پوچھا۔ "جج...... جی باجی!" اسماء ڈر گئی۔

"غلط بھرے ہیں۔ ابھی تمہیں کڑھائی نہیں کرنی آتی۔" باجی مسکرا رہی تھیں۔ وہ جھک کر ٹانکے ادھیڑنے لگ گئیں۔ اسماء کو بہت حیرت ہوئی کہ باجی نے اسے مارنا تو درکنار، ڈانٹا تک نہ تھا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا۔ "باجی ایک بات پوچھوں؟ آپ نے مجھے ڈانٹا کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ آپ کو کڑھائی کا طریقہ نہیں آتا تھا لیکن آپ کو شوق تھا۔ اگر میں آپ کو ڈانٹ دیتی تو آپ دوبارہ کبھی کڑھائی نہ کرتی۔"

اسماء نے سوچا کہ میں نے بھی تو کل عمر کو لکھنے پر تھپڑ مارا تھا۔ وہ بھی تو ناسمجھ ہے لیکن اسے شوق تو تھا، کیا اب وہ دوبارہ کبھی نہیں لکھے گا؟

"باجی...... باجی! میں نے کل عمر کو ڈانٹا تھا۔ وہ دوبارہ ساری زندگی نہیں لکھے گا۔ باجی وہ تو ان پڑھ رہے گا۔" اسے رونا آ گیا۔

باجی کہنے لگیں: "نہیں اسماء! وہ ابھی چھوٹا ہے۔ دوبارہ لکھے گا مگر جب اسے بار بار ڈانٹا اور مارا جائے گا تو وہ لکھتے ہوئے ڈرے گا۔" اسماء کو ذرا تسلی ہوگئی۔ "اسماء آپ نے وہ حدیث پڑھی ہے کہ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔ (جامع ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری محبوب ترین شخصیت ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے۔"

"باجی مجھے تو اس بات کا علم نہیں تھا کہ منہ پر نہیں مارتے۔ میں آئندہ عمر کو نہیں ماروں گی، لیکن وہ میری کتابیں گندی کر دیتا ہے۔" "اسماء آپ اپنا بستہ سنبھال کر رکھا کرو ناں اور اس کو فالتو کاپی اور پنسل دے دو تاکہ وہ بھی خوش ہو جائے۔ کسی کو خوش کرنا بھی تو نیکی ہے ناں۔" باجی کی ان باتوں سے اسماء کی پریشانی دور ہوگئی اور وہ عمر کو فالتو کاپی پنسل دینے چل دی۔

پیارے بچو! کہیں آپ بھی تو اسماء کی طرح نہیں کرتے؟ اگر ایسا ہے تو جائیے جلدی سے فالتو کاپی پنسل لے کر!!...... عمر تو پڑھ لکھ جائے گا کہیں آپ کے بہن بھائی ان پڑھ نہ رہ جائیں۔

(دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

(حفصہ اعجاز، صوابی)

نعمان اور دانش دو بھائی تھے۔ دونوں بہت پیارے تھے۔ نعمان نہایت تمیز دار تھا۔ نعمان صبح سویرے اُٹھتا، وضو کر کے نماز ادا کرنے مسجد جاتا تھا۔ مسجد سے واپس آ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور ناشتا کر کے اسکول کو چلا جاتا۔ نعمان دانش کو جگاتا تاکہ وہ نماز ادا کرنے مسجد جائے لیکن دانش دیر تک سوتا۔ جب اسکول کا وقت ہوتا تو دانش جلدی جلدی اُٹھتا اور ناشتا کر کے اسکول کو چلا جاتا تھا۔ اسکول سے واپس آ کر نہ سلام کرتا، نہ بستہ اپنی جگہ پر رکھتا۔ یونی فارم اُتار کر چارپائی پر پھینک دیتا اور چلانا شروع کر دیتا کہ یہ کیسا کھانا پکایا ہے؟ یہ کیوں پکایا ہے؟ میں یہ نہیں کھاؤں گا۔ نعمان اسکول سے واپس آ کر سلام کرتا، بستہ اپنے کمرے میں رکھتا، یونی فارم اُتار کر الماری میں لگاتا اور منہ ہاتھ دھو کر آرام سے کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتا تھا۔ ایک دن امی نے دانش سے کہا: "آج اسکول میں میٹھا پراٹھا لے کر جاؤ کیوں کہ دو دن سے گوشت نہیں ملا، اس لیے آج

کباب نہیں بنائے۔" دانش زور سے بولا: "نہیں میں میٹھا پراٹھا نہیں کھاؤں گا۔ مجھے میٹھا پراٹھا پسند نہیں۔" امی نے پیار سے کہا: "بیٹا صرف آج لے جاؤ، نعمان بھی لے کر گیا ہے۔" "نہیں، میں نہیں لے کر جاؤں گا۔" اتنے میں اسکول کی بس آ گئی اور دونوں بھائی اللہ حافظ کہہ کر اسکول چلے گئے۔ اسکول میں تفریح کے وقت سب بچے اپنا اپنا لنچ بکس کھول کر کھانے لگے تو دانش ان کے لنچ بکس کو دیکھنے لگا۔ اس وقت دانش کو بہت بھوک محسوس ہونے لگی۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش میں بھی میٹھا پراٹھا لے آتا تو آج میں بھی سب بچوں کی طرح اپنا لنچ بکس کھول کر مزے سے کھانے لگتا۔ دانش نعمان کے پاس گیا اور کہا: "پلیز بھائی! مجھے تھوڑا سا پراٹھا دے دیں، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" دانش کو یہ کہتے ہوئے بڑی شرم آ رہی تھی۔ نعمان نے کہا: "ہاں! کیوں نہیں، جتنا مرضی کھا لو لیکن آئندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری نہیں کرو گے۔" "جی بھائی، میں آئندہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں کروں گا۔" دانش نے جواب دیا۔ دانش بہت شرمندہ تھا کیوں کہ ایک تو صبح اس نے اپنی امی سے بدتمیزی کی تھی اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی تھی۔ گھر جا کر دانش نے سب سے پہلے سلام کیا، پھر آرام سے بستہ بھائی کی طرح اپنے کمرے میں رکھا اور منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے دانش نے امی سے معافی مانگی اور اپنے بھائی کا شکریہ ادا کیا۔ "امی میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا۔" امی خوش ہو کر بولیں: "اللہ کا شکر ہے کہ تم بھی اپنے بھائی کی طرح اچھے بچے بن گئے ہو۔"

آیئے! ہم سب عہد کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں کریں گے بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

سچی خوشی

(صوفیہ عبداللہ، پشاور)

رمضان کا بابرکت مہینہ تھا اور عید بھی قریب تھی۔ سب بچے اپنے امی ابو کے ساتھ بازار جا رہے تھے اور اپنی پسند کے کپڑے، جوتے وغیرہ لا رہے تھے۔ بچے اسکول میں ہم جماعتوں سے اپنے کپڑوں اور جوتوں کی خوب تعریفیں کرتے تھے۔

بچوں کو عید کا انتظار تھا۔ جماعت کے سب بچے عید کی خوشی میں ایک دوسرے کو تحائف دے رہے تھے مگر عدیل اپنی سیٹ پر ہمیشہ کی طرح خاموشی سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

عدیل ایک درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والا لڑکا تھا۔ اس کے والد ایک سرکاری دفتر میں کلرک تھے۔ وہ چھ بہن بھائی تھے۔ عدیل ان میں سب سے بڑا تھا۔

عدیل کے والد نے بڑی مشکل سے پیسے جمع کر کے اس کے چھوٹے بہن بھائیوں کے کپڑے تو بنا دیے تھے مگر عدیل کے کپڑے نہیں بنا سکے تھے۔ عدیل اس بات سے ناخوش تھا۔

اسکول سے گھر جا کر عدیل نے کھانا نہیں کھایا، کسی سے بات بھی نہیں کی۔ رات کو ابو آئے تو اس نے ابو سے عید کے کپڑوں کی فرمائش کی۔ یہ سن کر اس کے ابو اُداس ہو گئے اور اسے بتایا کہ ہم پہلے ہی بہت مشکل سے گزارہ کر رہے ہیں اور قرض دار ہیں۔ عدیل غصے سے اپنے ابو کے پاس سے اُٹھ گیا۔ اس نے سوچا، عید آنے میں چھ دن باقی ہیں۔ میں تھوڑا بہت کام کر کے اتنے پیسے کما لوں گا کہ اپنے کپڑے بنا سکوں۔ اس نے اپنے اُستاد سے درخواست کر کے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی اور ایک دُکان والے سے بات کر کے ساٹھ روپے روزانہ کام پر لگ گیا۔

اس نے پانچ دنوں میں تین سو روپے جمع کر لیے۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے سوچا، میں امی ابو کو بتائے بغیر کپڑے اور جوتے خریدلوں گا اور اچانک بتا کر حیران کر دوں گا۔ چنانچہ وہ بازار گیا۔ اس نے ایک دُکان پر بہت خوب صورت جوتے دیکھ کر ان کی قیمت پوچھی تو اس کا منہ کھلا رہ گیا، کیوں کہ ان جوتوں کی قیمت 500 روپے تھی۔

اب عدیل کی سمجھ میں آیا کہ اس کے والدین کیوں اتنے پریشان رہتے ہیں۔ اس وقت عدیل کو اپنے 300 روپے بہت کم لگ رہے تھے۔ اس نے سوچا کیوں نہ کم قیمت والے کپڑے لے جاؤں لیکن پھر اپنا خیال جھٹک کر آگے چل پڑا۔

وہ جنرل اسٹور پر گیا اور اس نے پانچ کلو آٹا، دو کلو گھی، ایک کلو چاول، آدھ کلو سویاں اور آدھا کلو چینی خریدی۔

جب وہ گھر پہنچا تو اسے اپنے کیے ہوئے کام پر اور زیادہ خوشی ہوئی کیوں کہ آج اس کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ پہلی تاریخ آنے میں چار دن باقی تھے۔ عدیل کے ابو کسی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

قرض لینے گئے تھے۔ عدیل نے تمام سامان اپنی امی کے ہاتھ میں دے دیا اور شروع سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے والد بھی پریشانی کے عالم میں گھر واپس آ گئے مگر عدیل کی محنت کا واقعہ سن کر ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکنے لگے۔

(چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

نصیب جاگ اُٹھا

(محمد معوز الحسن، ڈیرہ اسماعیل خان)

ایک دن عقل اور نصیب آپس میں جھگڑ پڑے۔ عقل کہنے لگی: ''میرے بغیر انسان کی کوئی طاقت نہیں۔'' نصیب کہنے لگا: ''ذرا غور سے سن! عقل کے بغیر تو گزارا ہو ہی جاتا ہے لیکن جس شخص کا نصیب سویا ہوا ہو اسے ہر کوئی حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ مفلس اور غریب کہلاتا ہے۔ دوسری طرف جس شخص کا نصیب جاگ رہا ہو، ہر کوئی اس کی عزت کرتا ہے، وہ امیر کہلاتا ہے۔''

عقل نے کہا: ''بحث کرنے سے کیا حاصل، فلاں گاؤں میں نہایت ہی غریب جاٹ رہتا ہے۔ میں جاٹ کی کھوپڑی سے غائب ہو جاتی ہوں اور تم اس میں داخل ہو جاؤ، پھر دیکھتے ہیں کہ کون بڑا ہے۔'' جاٹ اپنی زمین تیار کر رہا تھا۔ جب اس نے کھیت میں بیج بویا تو اس کی فصل لہلہا اٹھی۔ مکئی کے سٹے ہیرے جواہرات میں تبدیل ہو گئے۔ جاٹ کا نصیب جاگ اٹھا۔ وہ خوش ہونے کی بجائے بدحواس ہو گیا۔ وہ سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ اپنی بیوی کو سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ اس نے اپنی فصل کو جلد از جلد بیچنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن چند سوداگر اس کے گھر آئے۔ جاٹ نے اونے پونے داموں میں فصل فروخت کر دی۔ جب سوداگروں نے فصل کی بجائے ہیرے جواہرات دیکھے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہیں جاٹ کی کم عقلی پر ترس آنے لگا۔ جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو اس نے جاٹ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ کے آدمی جاٹ کے گاؤں آ پہنچے۔ جب انہوں نے جاٹ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو جاٹ نے اندر ہی سے جواب دیا۔ ''دیکھو بھئی، سودا ایک دفعہ ہوتا ہے۔ انسان کی زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اب تم فصل واپس کرنا چاہتے ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔'' آدمی جاٹ کی باتیں سن کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے کہا: ''بھئی ایسی کوئی بات نہیں، ہم تو تمہیں لینے آئے ہیں۔ بادشاہ سلامت نے آپ کو طلب کیا ہے۔'' جاٹ بے عقل تو تھا ہی، وہ بڑی بدتمیزی سے بولا: ''بادشاہ سلامت کو کیا تکلیف ہے جو مجھے بلا رہے ہیں۔'' ''ہمیں خود بھی علم نہیں، بس تم ہمارے ساتھ چلو۔ وہاں ایک بات کا خیال رکھنا جو سوال وہ تم سے کریں، بس اچھا جی کہہ دینا۔'' ''ٹھیک ہے جی۔'' جاٹ نے رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ جاٹ بادشاہ کے دربار میں آ گیا۔ دربار میں داخل ہوتے ہی اس نے قلابازیاں کھانا شروع کر دیں۔ ابھی اس کی ٹانگیں اوپر اور سر نیچے تھا کہ بادشاہ بڑے طمطراق سے دربار میں داخل ہو گیا۔ جاٹ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بادشاہ کے گلے لگ گیا۔ بادشاہ اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا لیکن جاٹ اس سے چمٹا رہا۔ آخر بادشاہ کے ملازموں نے جاٹ کو بڑی مشکل سے سمجھایا۔ ''اچھا بھئی سنا ہے کہ تمہارے کھیتوں میں ہیرے جواہرات اُگ آئے ہیں۔'' بادشاہ نے پوچھا۔ ''اچھا جی!'' جاٹ نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ''تم روزانہ کتنے گھنٹے محنت کرتے ہو۔'' ''اچھا جی!'' جاٹ نے پھر کہا۔ جاٹ نے جب اچھا جی کی رٹ لگائی تو بادشاہ سمجھ گیا کہ اس کے سارے پیچ ڈھیلے ہیں۔ ایک طرف دولت کے انبار تھے۔ ہیرے جواہرات کے ٹوکرے دیکھ کر بادشاہ کی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ آخر بادشاہ نے جاٹ کو اپنا داماد بنا لیا۔ جاٹ اپنی بیوی کو گھور رہا تھا۔ بیوی نے کرسی خالی کر دی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ جاٹ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جاٹ نے کرسی چھوڑ دی۔ اس کی بیگم فوراً بیٹھ گئی۔ یہ سلسلہ کئی گھنٹوں تک چلتا رہا۔ جاٹ پاگلوں جیسی حرکتیں کر رہا تھا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ کب صبح ہو اور وہ وہاں سے فرار حاصل کرے۔ جوں توں کر کے اس نے رات نکالی۔ صبح اس نے فرار ہونا تھا۔ محل کے ہر دروازے پہ پہرا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ پکڑا نہ جائے۔ منزل بھی تیسری تھی اور سامنے کھڑکی تھی۔ اس نے سوچا، یہ راستہ بہت مناسب رہے گا۔ جب وہ چھلانگ لگانے لگا تو نصیب عقل سے کہنے لگا۔ ''بڑی بی تمہیں سلام۔'' اسے کیا خبر کہ وہ کیا کر رہا ہے، مفت میں اپنی جان کا دشمن بن رہا ہے۔ عقل جاٹ کی کھوپڑی میں داخل ہو گئی۔ جاٹ زور سے چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب وہ بہت خوش تھا، وہ اپنی بیوی کو لے کر گاؤں آ گیا۔

(پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

WWW.PAKSOCIETY.COM



مدیرِ تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

میری طرف سے تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم کو آداب۔ امید کرتی ہوں میرا خط ردی کی ٹوکری میں نہیں جائے گا۔ خط ایک دفعہ پہلے بھیجا تھا مگر شائع نہیں ہوا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ سرورق ہمیشہ ٹاپ پر ہوتا ہے۔ میری عمر بارہ سال ہے۔ میں تقریباً ایک سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں۔ آپ نے مجھے خوش آمدید نہیں کہا لیکن اب اگر میرا خط شائع نہیں ہوا تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔ میری حوصلہ افزائی کریں تاکہ آئندہ حصہ لے سکوں۔ شکریہ!

☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ سلسلوں میں بھی حصہ لیجیے۔

(عائشہ اشفاق، پھالیہ)

السلام علیکم! ستمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ میں نے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا ہے۔ میں چار ماہ پہلے بغداد اور سعودی عرب سے ہو کر آئی ہوں۔ مجھے وہاں بہت مزہ آیا ہے۔ کیا آپ کو میری کمی محسوس نہیں ہوئی۔ میں آئندہ کہانی بھیجوں گی، پلیز شائع کیجیے گا۔ شکریہ! (شہر بانو نعیم، گوجرانوالہ)

☆ جی ہاں! آپ کی کمی محسوس ہوئی۔ کہانی ضرور بھیجیں۔

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ مجھے آپ سے ایک شکایت ہے کہ مجھے رسالہ بہت دیر سے ملتا ہے، اس لیے میں کچھ لکھ نہیں پاتی۔ پلیز رسالہ جلدی شائع کیا کریں۔ میری بہت سی سہیلیاں یہ رسالہ پسند کرتی ہیں اور خط لکھ رہی ہیں۔ پلیز ان کے اور میرا خط شائع کر دیں۔ (ایمان علی، راول پنڈی)

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ ہم پہلی بار خط لکھ رہے ہیں۔ ہمیں آپ کا رسالہ تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ ہم اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ آپ خط کو پلیز ردی کی ٹوکری میں نہ پھینکیے گا ورنہ ہمارا دل ٹوٹ جائے گا۔

(اقراء وداں، مریم شفیق، راول پنڈی)

میں تعلیم و تربیت تین سال سے بڑے شوق سے پڑھ رہا ہوں۔ مجھے آپ سے ایک شکایت ہے کہ رسالہ بہت دیر سے ملتا ہے۔ میری لکھائی کیسی ہے؟!

(ابرار اللہ، کوئٹہ)

اگست اور ستمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ میں نے اگست میں بھی ایک خط لکھا تھا مگر افسوس میرا نام شائع نہیں ہوا۔ اس بار میرا دوسرا خط ہے تو پلیز میرا نام رسالے میں شائع کر دیں۔ ایم ایم عالم، اذان، سبق اور اصول کی پاس داری کہانیاں مجھے بہت پسند آئیں۔ میری دعا ہے کہ تعلیم و تربیت ہمیشہ سورج کی طرح روشن اور چاند کی طرح خوب صورت رہے۔ آمین! (احمد یار، لاہور)

ایڈیٹر صاحب! کیا حال ہے؟ اس ماہ بہت دیر بعد شرکت کر رہی ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو میری کمی ضرور محسوس ہوئی ہوگی۔ جب سے اسکول شروع ہوئے ہیں لکھنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا۔ اوپر سے رسالہ بھی دیر سے ملتا ہے۔ خیر اس بار رسالہ جلدی مل گیا۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔ نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت تھیں۔ سلسلہ میری بیاض سے بھی لاجواب ہے۔ شاہ فیصل مسجد کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہوا۔ مجھے خط شائع ہونے کا انتظار رہے گا۔ (ثمرہ طارق بٹ، آروپ، گوجرانوالہ)

☆ امید ہے کہ آپ باقاعدگی سے شرکت کریں گی۔

میں خیریت سے ہوں، امید کرتی ہوں کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ خاص طور پر ناول "دولت پور میں" بہت پسند آیا اور اس کی آئندہ قسط کا بہت بے چینی سے انتظار کرتی ہوں۔ آپ سے ایک فرمائش ہے کہ آپ کچھ خوف ناک کہانیاں بھی اپنے شمارے میں شامل کریں۔ مجھے Horrible کہانیاں بہت پسند ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری فرمائش کو رد نہیں کریں گے۔ (فائقہ نوید ملک، لاہور)

عابدہ آپی! کیا حال ہے آپ کا؟ امید ہے آپ ٹھیک ہوں گی۔ پلیز! آپ اتنا تو بتا دیں کہ میری دو کہانیاں جو میں نے بھیجی تھیں، "عظیم بچہ" اور "ٹیلی ویژن" کیا وہ قابلِ اشاعت ہیں۔ آپ سب کو "بکرا عید" یعنی عیدالاضحٰی مبارک ہو جو 6 اکتوبر کو آنے والی ہے۔ خوش رہیں، شاد رہیں اور میرے امتحانات کے لیے دعا کرتے رہیں۔ میرا خط ضرور شائع کیجیے گا۔ (مہلب شہباز، گوجرانوالہ)

☆ آپ دفتر کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ کریں۔

ڈیئر ایڈیٹر، السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو میں معذرت چاہتی ہوں کہ میں کافی عرصے سے سلسلوں میں حصہ نہیں لے رہی تھی۔ ستمبر میں میرے بھائی کی سال گرہ تھی۔ ستمبر کا شمارہ معلومات افزا تھا۔ ناول "دولت پور میں" جلدی ختم کریں کیوں کہ مجھے جاننا ہے کہ آخر میں کیا ہوتا ہے۔

(زارا وہاب، اسلام آباد)

آپ کے ادارے سے وابستہ ہر شخص کو سلام۔ ستمبر کا شمارہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خاص طور پر خوف، اذان، سبق، شیر اور دلیر، اصول کی پاس داری اور آپ بھی لکھیے کی کہانیاں پسند آئیں۔ میں ساتویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ آپ کا یہ رسالہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت فائدے مند ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر نصیب فرمائے۔ (ابوبکر صدیق، بھکر)

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کا شمارہ ٹاپ پر تھا۔ تمام کہانیاں

اچھی تھیں۔ خاص طور پر پرانا چیک، سبق، خوف اور اذان بہت اچھی تھیں۔ میں نے کہانی بھی بھیجی تھی۔ پلیز! شائع کر دیں اور میرا خط بھی ضرور شائع کیجیے گا۔ (لائبہ شہزاد، راول پنڈی)

☆ کہانی کے سلسلے میں دفتر کے ٹیلی فون پر رابطہ کریں۔

امید ہے کہ آپ کی پوری ٹیم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک ہو گی۔ ماہ ستمبر کا شمارہ بہت منفرد تھا۔ میں پچھلے ایک سال سے آپ کا رسالہ پڑھ رہا ہوں۔ مجھے ماہ ستمبر کی تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ سلسلہ وار ناول دولت پور میں اور فاختہ اور کبوتر دونوں کہانیاں سپرہٹ تھیں۔ میں پہلی بار آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر اس شمارے میں ہمارے خط کو ضرور جگہ دیجیے گا۔ میری لکھائی کیسی ہے؟ (محمد عرفان، یونس خان بلوچ، تھین آباد)

السلام علیکم! آپ کیسے ہیں؟ ماہ ستمبر کا شمارہ سپرہٹ تھا لیکن مزاحیہ تحریروں کی کمی تھی۔ آپ کب یہ کمی پوری کریں گے۔ رسالہ لیٹ آنے کی وجہ سے دو ماہ انعامی مقابلوں میں شریک نہیں ہو سکا۔ پلیز! آپ میرا خط شائع کیجیے گا۔ اللہ حافظ! (ہمایوں رشید، اسلام آباد)

تعلیم و تربیت ہمیشہ کی طرح اس مہینے بھی سپرہٹ تھا۔ اذان، شیر اور دلیر، فاختہ اور کبوتر، پیارے اللہ کے پیارے نام بہت اچھی لگیں۔ محاورہ کہانی پڑھ کر تو مزہ ہی آ گیا۔ سلسلہ وار ناول بہترین چل رہا ہے۔ میرا خط ضرور شائع کریں تاکہ میں بھی حصہ لوں۔ میں چار سال سے باقاعدگی سے رسالہ پڑھ رہی ہوں لیکن کبھی بھی مایوس نہیں ہوئی۔ اللہ تعلیم و تربیت کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ آمین! (آمنہ احسان، سیال کوٹ)

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں پچھلے چار پانچ مہینوں سے شمارے میں حصہ نہیں لے رہا ہوں، معافی چاہتا ہوں۔ ستمبر کے شمارے کے کیا ہی کہنے، سرورق سے لے کر دوشیزہ مسعود تک اتنا اچھا کہ تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں ملتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ٹیم کو اور رسالے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ (آمین) بڑی امید سے خط لکھ رہا ہوں۔ شائع نہ کر کے دل نہ توڑیں۔ امید ہے ضرور شائع کریں گے۔ (رانا بلال احمد، کوٹلہ جام)

ستمبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں بہت خوب صورت تھیں۔ ہم دونوں بھائی تین سال سے یہ رسالہ پڑھتے ہیں لیکن پہلی مرتبہ خط لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

(حافظ حذیفہ حیدر، حافظ فہد بھمبر، آزاد کشمیر)

آپ کی اور ادارے سے وابستہ ہر شخص کی خیریت نیک مطلوب ہے۔ ستمبر کا شمارہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خاص طور پر خوف، اذان، سبق، شیر اور دلیر کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ میں ساتویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ اپنے خط کے ساتھ کچھ تحریریں ارسال کر رہا ہوں۔ اگر قابل اشاعت ہوں تو ضرور شائع کیجیے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر نصیب فرمائے۔ آمین! (رانا اسامہ تنویر، بھکر)

السلام علیکم! مہربانی کر کے میرا خط ردی میں مت ڈالیے گا۔ میں پچھلے پانچ سالوں سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں۔ مجھے تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ پہلی بار تعلیم و تربیت میرے ماموں نے ہمارے گھر بھیجا، تب سے میں اسے پڑھنے کا شوقین ہوں۔ آپ سے ایک بار پھر التجا کرتا ہوں کہ میرا خط شائع کیجیے گا۔ (محمد عبداللہ لطیف، مریدکے)

امید ہے آپ ٹھیک ہوں گے۔ پچھلے دو مہینوں سے میں تعلیم و تربیت میں شرکت نہیں کر سکی۔ پلیز! میرا خط ضرور شائع کریں۔ فاختہ اور کبوتر، پرانا چیک، شیر اور دلیر، خوف اور اذان کہانیاں بہت پسند آئیں۔ ستمبر کا شمارہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ ہر دفعہ تعلیم و تربیت کا انتظار رہتا ہے۔ میرے بھائی کو تو اونچل خان کے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ 4 ستمبر کو میرا رزلٹ تھا۔ اللہ کے فضل و کرم اور آپ کی دعاؤں سے سیکنڈ آئی ہوں۔ میری امی کو بھی تعلیم و تربیت بہت اچھا لگتا ہے۔ (عائشہ فاطمہ، امیرہ فاطمہ، گوجرانوالہ)

ستمبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سلسلہ وار ناول دولت پور میں سپرہٹ ہے۔ میرے امتحان ہو رہے ہیں۔ دعا کریں پوزیشن حاصل کر سکوں۔ خط کو شائع ضرور کرنا ہے۔ آپ بچوں کی گڑیوں کے بارے میں بھی شائع کریں۔ سب کو سلام!

(مقدمہ عمیر، ساہی وال)

☆ دفتر کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ کریں۔

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کا شمارہ زبردست ہے، پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس مرتبہ لطیفے، کہانیاں اور خاص کر سلسلہ میری بیاض سے، میں تمام قارئین نے بہترین اشعار بھیجے۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ اگلے مہینے عید ہے۔ اس لیے میری طرف سے سب کو "عید مبارک"۔ امید کرتی ہوں میرا خط ضرور شائع ہو گا۔ (طوبیٰ وحید، ہری پور)

☆ آپ سب کو بھی عید مبارک ہو۔

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بڑے مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

سائرہ سکندر، محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ عمیر علی، شفیق فاطمہ، زارا وہاب، راول پنڈی۔ محمد حسن شاہد، ذیرہ غازی خان۔ تسنیم، محبت، راجہ جنگ۔ عبیدہ مجید غوری، پشاور۔ عشاء نور، صبیح الحسن، سیال کوٹ۔ محمد ہاشم عبداللہ، میرپور۔ محمد احمد، ملتان۔ ذیشان احمد صدیقی، کندیاں۔ مزمل بن سلطان، شکرگڑھ۔ انشہ ندیم، تحریم عثمان، گوجرانوالہ۔ شیخ محمد شارق، فائزہ، میرہ، رابعہ، مریم، خوشاب۔ نزل، عشاء، سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ حافظ محمد نجیب، وزیرآباد۔ صداقت علی، عبدالجبار رومی، لاہور۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ زینب ناصر، فیصل آباد۔ تماضر ساجد، صادق آباد۔ عمیر محمود، اوکاڑہ۔ ثنا اعجاز، افراح اکبر، لاہور۔ اقصیٰ شہزادی، گجرات۔ توحید اشرف، حویلی لکھا۔ ابرار اللہ، کوئٹہ۔ ☆☆



آخری قسط

سلسلہ وار ناول دولت پور میں

کالا بُرقع

عزیز اثری

طارق کی ماں بہت دیر تک گھر پر اپنے بیٹے کا انتظار کرتی رہیں لیکن جب طارق کافی رات گئے تک واپس نہ آیا تو ماں پریشان ہو گئیں۔ پہلے وہ طارق کے اسکول گئیں۔ وہاں چوکی دار نے بتایا کہ سب بچے اسکول سے چھٹی ہوتے ہی گھر چلے گئے تھے۔ طارق کی ماں ہیڈ مسٹریس کے پاس جانا چاہتی تھیں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ طارق شاید اب تک گھر آ گیا ہوگا۔ وہ دوبارہ گھر گئیں لیکن طارق وہاں نہیں تھا۔

طارق کی ماں گھر سے نکل کر اِدھر اُدھر سڑکوں پر اور بازاروں میں اپنے بیٹے کو تلاش کرتی رہیں۔ اس وقت تک دُکانیں بند ہو چکی تھیں۔ صرف کسی دودھ والے یا پان والے کی دُکان کھلی تھی۔ ماں نے ان دُکانداروں سے طارق کے متعلق پوچھا لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا۔

بارہ بجے کے قریب جب لوگ سینما کا آخری شو دیکھ کر اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے تو ان لوگوں کو روک روک کر طارق کی ماں اپنے بیٹے کا حلیہ بتاتیں اور ان سے پوچھتیں۔

"آپ نے کہیں اس شکل اور لباس کے لڑکے کو تو نہیں دیکھا!"

بہت سے لوگ اس وقت سیٹیاں بجاتے یا فلمی گانے گاتے جا رہے تھے۔ کئی آدمیوں نے طارق کی ماں کو پاگل عورت سمجھا۔ ایک آدمی فلم کے ہیرو کی طرح اکڑ اکڑ کر سڑک پر جا رہا تھا۔ طارق کی ماں نے اس سے جب پوچھا تو اس نے جواب دیا۔

"مائی! ہم نے کسی لڑکے وڑکے کو نہیں دیکھا۔ ہم تو فلم کے ہیرو کو دیکھ کر آ رہے ہیں۔ واہ! کس شان سے چلتا تھا۔" یہ کہہ کر وہ آدمی سیٹی بجاتا اور اکڑتا ہوا چلا گیا۔

طارق کی ماں سخت پریشان تھیں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، ویسے ویسے ماں کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ ماں سڑکوں پر پھر رہی تھیں اور دل ہی دل میں اللہ سے دُعا کر رہی تھیں۔

"یا اللہ! اپنے محبوب کے صدقے میرے بچے کو مجھ سے ملا دے۔ اس دُنیا میں تیرے سوا میرا کوئی بھی مددگار نہیں۔" ماں کے قدم بچے کی تلاش میں اُٹھ رہے تھے۔ دل سے دعائیں نکل رہی تھیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

طارق کی ماں جب بیٹے کو تلاش کرتے کرتے تھک گئیں تو انہوں نے اُستانی کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ طارق کی ماں جانتی تھیں کہ سارے شہر میں طارق کی اُستانی ہی ان کی ہمدرد ہیں۔ وہ طارق کو تلاش کرنے میں ضرور مدد کریں گی۔

طارق کی ماں جب اُستانی جی کے گھر پر پہنچیں تو وہاں دروازے پر تالا دیکھ کر بہت مایوس ہوئیں۔ وہ بازاروں میں اور سڑکوں پر پھرتے پھرتے تھک چکی تھیں۔ اس لیے دروازے پر ہی

بیٹھ گئیں۔ اسی وقت اُستانی وہاں پہنچیں۔ طارق کی ماں نے انہیں پہچان لیا۔ وہ لپک کر اُستانی کی طرف گئیں۔ ان سے طارق کے متعلق پوچھا۔

اُستانی جی طارق کے متعلق بتانے ہی لگی تھیں کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ان کے بے ہوش ہونے سے طارق کی ماں گھبرا گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُستانی آدھی رات کو کہاں سے آئی ہیں اور آتے ہی بے ہوش ہو کر گر کیوں گئی ہیں۔

طارق کی ماں اُستانی کے پاس بیٹھ گئیں اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگیں۔ اس وقت کہیں لاٹھی ٹھکنے کی آواز گونجی۔ طارق کی ماں نے سڑک کی طرف دیکھا اور زور سے آواز دی۔

"بھائی جی!"

تھوڑی ہی دیر میں پٹھان چوکی دار زمین پر اپنی لاٹھی مارتا ہوا طارق کی ماں کے پاس آ گیا۔ طارق کی ماں نے اسے بے ہوش اُستانی کے متعلق بتایا۔ چوکی دار اُستانی جی کو جانتا تھا، وہ بھاگا ہوا گیا۔ پاس ہی دوسرے مکان تھے۔ چوکی دار نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے ایک آدمی نکلا۔ چوکی دار نے اس سے بات کی۔ وہ آدمی اندر گیا اور اپنی بیوی کو جگایا۔ اس کی بیوی، اُستانی جی کی بہت عزت کرتی تھی۔ وہ بھاگی ہوئی وہاں آئی۔

وہ عورت، طارق کی ماں اور چوکی دار کی مدد سے اُستانی جی کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گئی۔ انگیٹھی میں کوئلے دہکائے۔ اُستانی جی کو ایک کمرے میں لٹا کر انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس عورت کی ایک بیٹی بھی اُٹھ گئی۔ اس نے اُستانی کے لیے گرم گرم چائے تیار کی۔ اُستانی جی کو ہوش آ گیا۔ انہیں چائے پلائی گئی۔

اُستانی نے کمرے کو دیکھا۔ اس نیک عورت اور طارق کی ماں کو دیکھ کر اُستانی نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ دوسرے کمرے میں نیک عورت کا خاوند اور چوکی دار بیٹھا تھا۔ انہیں جب بتایا گیا کہ اُستانی ہوش میں آ گئی ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ چوکی دار اپنی ڈیوٹی دینے کے لیے باہر چلا گیا۔ طارق کی ماں نے اُستانی جی سے جب پوچھا کہ وہ کہاں گئی تھیں تو اُستانی نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ اُستانی نے یہ بھی کہا۔ "آپ کا بیٹا بہت نیک ہے اور جتنا نیک ہے اتنا ہی بہادر بھی ہے۔ طارق نے مجھے بچانے کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا لیا ہے۔ اس نے چھت پر کود کر روشن دان توڑا اور اس راستے سے مجھے باہر نکالا ہے۔"

طارق کی ماں نے جب یہ باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئیں لیکن پھر ان کا دل خوف سے کانپ اُٹھا اور بولیں۔

"اب میرے بیٹے کا کیا ہو گا۔"

"آپ گھبرایئے نہیں۔" اُستانی جی بولیں۔ طارق نے اتنی بڑی قربانی دے کر مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ میں اپنی جان دے کر اس کی حفاظت کروں گی۔" طارق کی ماں نے انہیں بہت سی دعائیں دیں۔ اُستانی جی بولیں۔ "اب میں اپنی ہیڈ مسٹریس کے پاس جا کر ان سے کہتی ہوں کہ پولیس میں اطلاع دیں۔"

"آپ آرام کریں۔" طارق کی ماں بولیں۔ "میں خود انہیں اطلاع دیتی ہوں۔"

"نہیں، اس طرح دیر لگے گی۔" اُستانی بولیں۔ "اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں جا سکتی ہوں۔"

نیک دل عورت نے اُستانی جی کو باہر نہیں جانے دیا۔ طارق کی ماں بھی نہیں چاہتی تھیں کہ اُستانی یہاں سے باہر نکلیں۔ ان کا خیال تھا کہ جعفر کے ابا کے آدمی ضرور اِدھر آئیں گے اور ایسا نہ ہو کہ وہ پھر اُستانی جی کو پکڑ لیں۔

ہیڈ مسٹریس کو اطلاع دینے کے لیے اس عورت نے فوراً اپنے خاوند کو روانہ کر دیا۔ جب عورت کا خاوند اپنے گھر سے باہر نکلا تو اس نے تین آدمیوں کو دیکھا جو اُستانی کے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ عورت کے خاوند نے ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں پٹھان چوکی دار واپس آ رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر ان تین آدمیوں میں دو تو ایک دیوار کے پیچھے چھپ گئے اور تیسرا آدمی چوکی دار کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

چوکی دار جب قریب آیا تو وہ آدمی ایک قدم اور آگے بڑھ کر بولا۔

"السلام علیکم! چوکی دار جی۔"

"وعلیکم السلام!" چوکی دار نے جواب دیا۔ "خو تم اِدھر کیا کرنے آیا ہے؟"

"چوکی دار جی! میری بہن اِدھر رہتی ہے۔ وہ اسکول میں اُستانی ہے۔ میں اس سے ملنے آیا ہوں لیکن اس کے گھر پر تو تالا پڑا ہے۔ معلوم نہیں کدھر گئی ہے۔"

"خو اُستانی اِدھر آیا ہے۔ بے ہوش ہو گیا۔" پٹھان چوکی دار نے کہا۔ "ام اس کو اس گھر میں چھوڑ دیا۔ اُدھر چائے مائے پلایا۔ اُستانی ٹھیک ہو گیا۔"

"کس گھر میں؟" اس آدمی نے پوچھا۔

"اُودر، سامنے والا مکان میں...... اُودر بابو صاحب کے گھر میں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی خان صاحب۔" اس آدمی نے کہا۔ "میں اپنا سامان لے آؤں۔ پھر اپنی بہن سے ملتا ہوں۔"

"ہاں! ضرور ملو...... اپنا بہن سے۔" یہ کہہ کر چوکی دار نے اس آدمی سے ہاتھ ملایا اور زمین پر لاٹھی مارتا ہوا آگے چلا گیا۔ وہ آدمی دیوار کے پیچھے چھپے ہوئے ساتھیوں کے پاس آ گیا اور بولا۔

"وہاں سے تو نکل بھاگی تھی۔ اب دیکھتا ہوں مجھ سے بچ کر کہاں جائے گی۔" یہ کہہ کر لمبے کالے آدمی نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا اور تینوں سامنے مکان کی طرف جانے لگے۔

عورت کا خاوند ہیڈ مسٹریس کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ اپنے گھر سے کچھ دور بڑی سڑک پر پہنچا تو اسے ایک دم یاد آیا کہ اس نے اُستانی کے مکان کے پاس تین آدمی دیکھے تھے۔ وہ آدمی کون تھے؟ آدھی رات کو اُستانی کے گھر کے پاس کیا کر رہے تھے؟ میری بیوی بڑی مشکل سے اُستانی کو ہوش میں لائی تھی۔ میری بیوی نے بتایا تھا کہ اُستانی کو کچھ آدمی اُٹھا کر لے گئے تھے۔ وہی آدمی دوبارہ تو نہیں آ گئے؟ عورت کے خاوند نے سوچا۔ میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ مجھے چاہیے تھا کہ اسی وقت ان آدمیوں سے پوچھتا کہ وہ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں۔

یہ سوچتے ہی عورت کا خاوند واپس مُڑا۔ چوکی دار کی لاٹھی کی آواز آ رہی تھی۔ چوکی دار سڑک کی طرف ہی آ رہا تھا۔ عورت کا خاوند پلٹ کر چوکی دار کے پاس آیا اور بولا۔ "خان صاحب! میں نے ابھی ابھی تین آدمی اُستانی کے مکان کے پاس دیکھے ہیں۔"

"تین آدمی؟" چوکی دار حیران ہو کر بولا۔ "بابو صاحب! اور میں تو ایک ہی آدمی دیکھا تھا۔" وہ بولا۔ "ہم اُستانی کا بھائی ہے۔"

"اس کے ساتھ دو اور آدمی بھی ہوں گے۔" عورت کے خاوند نے کہا۔

"ام تو ایک آدمی دیکھا۔ خدا کی قسم ایک آدمی تھا۔"

"مجھے تو کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" عورت کا خاوند بولا۔

"تم کیسا گڑبڑ بولتا ہے بابو جی! وہ تو اُستانی کو اپنا بہن بولا۔"

"چلیے، اُستانی سے پوچھ لیتے ہیں۔"

چوکی دار عورت کے خاوند کے ساتھ ان کے مکان پر آیا۔ وہ دروازے پر کھڑا رہا۔ خاوند نے اندر جا کر اپنی بیوی سے کہا۔

"میں نے اُستانی کے مکان کے پاس ابھی ابھی تین آدمی دیکھے ہیں لیکن تم اُستانی کو یہ بات معلوم نہ ہونے دینا۔ ان سے صرف یہ کہو کہ ان کا ایک بھائی ان سے ملنے آیا ہے۔"

عورت اُستانی کے پاس گئی اور بولی۔

"اُستانی جی آپ کا ایک بھائی کہیں باہر سے آیا ہے۔"

"میرا بھائی؟" اُستانی حیران ہو کر بولیں۔ "میرا تو ایک ہی بھائی تھا۔ وہ آج سے تین سال پہلے فوت ہو گیا تھا۔ میرا تو کوئی بھائی ہی نہیں ہے۔" اُستانی اُداس ہو گئیں۔

بیوی نے اپنے خاوند کو بتا دیا۔ خاوند نے باہر آ کر چوکی دار کو یہ بات بتائی۔ چوکی دار کو بہت غصہ آیا وہ کہنے لگا۔

"وہ آدمی جھوٹ بولا۔ ہم اس کو نہیں چھوڑے گا۔ اپنا ڈنڈا مار کر اس کا چٹنی بنائے گا۔" یہ کہہ کر چوکی دار اس آدمی کو ڈھونڈنے کے لیے جانے لگا۔ عورت کے خاوند نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔

"خان صاحب! اس طرح کام خراب ہو جائے گا۔ اسے مارنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم تینوں آدمیوں کو پکڑ لیں گے۔"

"وہ سب آدمی الو کا چرخہ ہے۔" چوکی دار نے کہا۔ "خدا کی قسم ام سب کا چٹنی بنائے گا۔" چوکی دار اور عورت کے خاوند نے پروگرام بنایا کہ اُستانی کو اس کے گھر بھیج دیا جائے۔ اُستانی جب اپنے مکان میں جائے گی تو وہ تینوں اُستانی کو اُٹھانے کے لیے آئیں گے۔ تب تینوں کو قابو کر لیا جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُستانی کو ان کے مکان میں جانے کے لیے کہا گیا۔ طارق کی ماں اپنے بیٹے کے لیے بے چین تھی۔ عورت کے خاوند نے انہیں تسلی دی اور کہا۔

"ہم طارق کو تھوڑی دیر تک آپ کے پاس لے آئیں گے۔ اس وقت تک ہمارے گھر میں رہیں۔" اس نیک عورت نے بھی طارق کی ماں کی پوری پوری مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

اُستانی اپنے گھر جانے لگیں تو ایک سیاہ برقعے والی عورت بھی ان کے ساتھ تھی۔ اُستانی کے مکان کے پاس ایک دیوار کے پیچھے تینوں آدمی چھپے ہوئے تھے۔ بے شک وہ جعفر کے ابا ہی کے آدمی تھے۔ وہ اُستانی کو دوبارہ اُٹھا لے جانے کے لیے آئے تھے۔ ان میں جعفر کے ابا کا خاص آدمی لمبا کالا بھی تھا۔ اس نے چوکی دار کو بتایا تھا کہ وہ اُستانی کا بھائی ہے۔ جب اُستانی اپنے مکان کا تالا کھول کر اندر داخل ہوئی تو برقعے والی عورت بھی ان کے ساتھ ہی اندر چلی گئی۔

"یہ برقعے والی کون ہے؟" کالے نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"وہ جو دوسرے مکان میں عورت ہے نا، وہی ہو گی۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔

"کوئی بھی ہو ہمیں کیا۔ ہم تو اُستانی کو اُٹھا لے جائیں گے۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "اور جعفر کے ابا سے منہ مانگا انعام پائیں

گے۔'' کالا خوش ہو کر بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔

''آج تو ہماری چاندی ہی چاندی۔ ہزاروں روپے ہماری جیبوں میں ہوں گے۔''

''چلو پھر جلدی کرو۔'' ایک آدمی نے کہا۔ ''کہیں چوکی دار دوبارہ اس طرف نہ آ جائے۔''

''ہاں اس کے آنے سے پہلے پہلے اُستانی کو وہاں پہنچا دو۔'' کالے نے کہا۔ پھر بولا۔ ''ہم تینوں وہاں چلتے ہیں۔ میں دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، اُستانی دروازہ کھولے گی۔ پہلے میں اندر جاؤں گا۔ تم دونوں باہر کھڑے رہنا۔ میں اندر جا کر اُستانی کا منہ باندھ دوں گا۔ پھر اس کے ہاتھ اور پاؤں۔ تھوڑی دیر کے بعد تم میں سے ایک آدمی اندر آ جائے۔ دوسرا باہر کھڑا رہے۔ اتنے میں موٹر آ جائے گی۔ تیسرا آدمی جو باہر کھڑا ہو گا موٹر کے آتے ہی اس میں بیٹھ جائے گا اور ہم دونوں اُستانی کو اُٹھا کر باہر لے آئیں گے اور موٹر میں ڈال کر اللہ بیلی۔'' وہ تینوں پروگرام کے مطابق اُستانی کے مکان کے پاس گئے۔ کالے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ کالے نے دروازے کے پٹ کھول کر آہستہ سے قدم رکھا۔ اندر دروازے کے پاس اندھیرا تھا لیکن سامنے کمرے میں روشنی تھی۔ روشنی میں اُستانی ایک کرسی پر بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ کالا بہت خوش ہوا۔ وہ جلدی سے کمرے کی طرف بڑھا۔

کالے نے دوسرا قدم اُٹھایا ہی تھا کہ برقعے میں حرکت ہوئی اور ایک زوردار چٹ پٹا گھونسہ کالے کے پیٹ میں لگا۔ کالے لمبے نے ایک لمبی ''ہائے'' کی اور فرش پر گرنے لگا۔ برقعے نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر کالے کو فرش پر لٹا دیا۔ اسے لٹاتے وقت برقعے میں سے دو تین اور گھونسے نکلے اور ساتھ ہی آواز آئی۔

''اُستانی کا بائی صاحب! اور میں آرام کروں۔ خو الو کا چرخا! ہمارے ساتھ جھوٹ بولا۔''

تھوڑی ہی دیر کے بعد کالے کا دوسرا ساتھی پروگرام کے مطابق آیا۔ ابھی اس نے پہلا قدم ہی اندر رکھا تھا کہ برقعے نے اس کا گلا دبوچ لیا۔

''خو چرام تمہارا بھی چٹنی بنائے گا۔'' آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کالے برقعے میں دراصل پٹھان چوکی دار تھا جو تینوں لفنگوں کو الو بنانے کے لیے برقع پہن کر اُستانی کے ساتھ ہی مکان میں داخل ہو گیا تھا۔ ابھی دوسرے آدمی کو اندر گئے دو تین منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک موٹر سڑک پر آتی دکھائی دی۔ تیسرا آدمی جو باہر کھڑا تھا بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا موٹر پہنچ گئی ہے۔ ابھی کالا اور دوسرا آدمی اُستانی کو اُٹھا کر لائیں گے اور ہم اسے جعفر کے ابا کے پاس لے جائیں گے۔ موٹر اس طرف آ گئی۔ موٹر کی بتیاں بجھ گئیں۔ اسی وقت تیسرا آدمی بھاگ کر موٹر میں جا بیٹھا۔

تیسرے آدمی کے موٹر میں بیٹھتے ہی پانچ چھ آدمی چپکے سے موٹر کی طرف آئے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ ان لوگوں میں نیک عورت کا خاوند بھی شامل تھا۔ اس نے موٹر کا دروازہ کھول کر موٹر کے ڈرائیور کو گریبان سے پکڑا اور اسے گھسیٹ کر باہر نکال لیا۔ کالے کے تیسرے ساتھی کو بھی لوگوں نے پکڑ لیا۔

اُدھر پٹھان چوکی دار نے کالے اور اس کے ساتھی کو گھونسے مار مار کر بے ہوش کر رکھا تھا پھر اس نے دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ اتنے میں باقی لوگ موٹر کے ڈرائیور اور تیسرے آدمی کو پکڑے ہوئے لے آئے۔ آج کی رات بڑی عجیب تھی۔ رات تو ویسے ہی عجیب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ رات کے وقت دن بھر کے تھکے ہارے لوگ آرام کرتے ہیں۔ وہ کسان جو سارا دن کھیتوں میں ہل چلاتے اور ہم سب کے لیے اناج اُگاتے ہیں، رات کو اپنے گھروں میں سوتے اور صبح ہونے سے پہلے ہی دوبارہ محنت کے گیت گاتے ہوئے کھیتوں میں چلے جاتے ہیں۔ اپنا خون پسینہ ایک کر کے ہمارے لیے کپڑے اور طرح طرح کی چیزیں پیدا کرنے والے مزدور تھک ٹوٹ کر رات کو جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔

سارے محنت کش لوگ جو پوری قوم کا پیٹ پالتے، ان کے تن ڈھانپتے اور ملک کی دولت پیدا کرتے ہیں، رات کو سوتے ہیں۔ غریب اور محنت کرنے والوں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ اسے ضائع کریں۔ دوسری طرف کئی ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بہت سا روپیہ اور فالتو وقت ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے روپے اور وقت دونوں کو ضائع کرتے ہیں۔ رات بھر ہوٹلوں، کلبوں اور بڑی بڑی کوٹھیوں میں ناچ اور گانے ہوتے ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں، جو دن کی روشنی میں چھپتے پھرتے ہیں اور رات کے اندھیرے میں باہر نکل آتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو لوٹنے کے لیے نئے نئے پروگرام بناتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رات اور اندھیرا ہی سب کچھ ہے۔ وہ اندھیرے میں ڈاکے ڈالتے، چوریاں کرتے اور طرح طرح کے گناہوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

رات، ایک طرف تو غریبوں، دیانت دار نیک لوگوں اور محنت کرنے والوں کے لیے بڑی نعمت ہے اور دوسری طرف

چوروں، ڈاکوؤں، قوم کے غدار اسمگلروں اور گناہ گاروں کے لیے ایک ضرورت بن گئی ہے۔ رات لوگوں کے لیے آرام بھی لاتی ہے اور تباہی کا پیغام بھی۔ شاید اسی لیے بچے اندھیرے سے ڈرتے ہیں کیونکہ بچے معصوم ہوتے ہیں۔ نیک، سچے اور دیانت دار ہوتے ہیں۔

اندھیرا بُرے لوگوں کو بچاتا اور بُرائیوں کو پالتا ہے لیکن روشنی دونوں کو بے نقاب کر دیتی ہے۔

آج کی رات اس لیے بھی عجیب تھی کہ ایک طرف تو لالچی اور ظالم شخص (جعفر کے باپ) نے ایک آدمی کو استانی کے دیانت دار ہمسائے اور پٹھان چوکی دار نے پکڑ لیا تھا اور دوسری طرف غریب اور بہادر طارق اور نیک دل موٹے آدمی کو جعفر کے باپ نے پکڑ رکھا تھا۔ استانی کے گھر میں کئی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے جعفر کے باپ کی موٹر کو بھی دھکیل کر استانی کے مکان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

ادھر جعفر کے ابا کے ہمسایوں نے طارق کو گھیر رکھا تھا۔ ایک بار طارق، جب لوگوں کو اپنی استانی کے متعلق بتانے لگا تھا تو جعفر کے ابا نے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا تھا۔ ان لوگوں میں ادھیڑ عمر کا ایک آدمی بھی تھا۔ جب اس نے جعفر کے ابا کی یہ حرکت دیکھی تو اسے غصہ آ گیا تھا۔ وہ جعفر کے ابا سے کہنے لگا۔

"آپ بچے کو بار بار کیوں مارتے ہیں۔ اسے اپنی بات تو پوری کرنے دیں۔"

"یہ کمینہ جھوٹا ہے۔" جعفر کے ابا غصے سے بولے۔

"میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ میں سچ کہتا ہوں۔" طارق نے اتنا ہی کہا تھا کہ جعفر کے ابا کو اور بھی غصہ آ گیا۔ وہ آگے بڑھ کر طارق کو پکڑنا ہی چاہتے تھے کہ ادھیڑ عمر کے آدمی نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نوجوان کو بھی جس کے ہاتھ میں پستول تھا، غصہ آ گیا۔ اس نے طارق کا بازو پکڑ لیا اور بولا۔

"لڑکے! تم میرے ساتھ اس طرف آؤ اور مجھے صاف صاف بتا دو۔ اگر جھوٹ بولو گے تو ابھی گولی مار دوں گا۔"

طارق جلدی سے بولا۔

"میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں جناب۔"

جعفر کے ابا نے طارق کو دوسری طرف جانے سے روکنے کی کوشش کی لیکن پھر وہ نوجوان کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ڈر گئے۔ جعفر کے ابا کا دل کانپنے لگا۔ انہوں نے سوچا اب طارق سب کچھ بتا دے گا اور میری تمام کوشش ضائع ہو جائے گی۔ انہوں نے ایک ترکیب سوچی اور زور سے بولے۔

"پکڑو، پکڑو، ایک اور چور ہے۔"

"کہاں ہے؟" کئی آدمی ایک ساتھ بول اٹھے۔ وہ شخص جس کے ہاتھ لیکن لاٹھی تھی، بولا۔

"آج سب چور آپ ہی کے گھر جمع ہو گئے ہیں۔" یہ سن کر لوگ ہنسنے لگے۔

اس وقت سڑک کے پاس والی مسجد میں اذان کی آواز بلند ہوئی۔ یہ اذان جو سوئے ہوئے لوگوں کو نماز کی طرف بلاتی ہے اور یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ صبح ہو رہی ہے...... روشنی پھیل رہی ہے...... اندھیرے نے دم توڑ دیا ہے۔

اذان کی آواز سن کر کئی لوگ چونکے۔

"ارے نماز کا وقت ہو گیا۔" ادھیڑ عمر کا آدمی بولا۔ "میں مسجد میں جا رہا ہوں۔" لیکن مسجد میں جانے سے پہلے وہ طارق کے پاس رک گیا۔ پستول والا آدمی باقی لوگوں سے ہٹ کر، طارق کو الگ لے کر کھڑا تھا۔ اس نے اپنا پستول طارق کے سینے پر رکھا ہوا تھا اور



طارق کہہ رہا تھا۔

"جناب! اگر مجھے گولیاں مار مار کر چھلنی بھی کر دیں، پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں اپنی اُستانی کو چھڑوانے آیا تھا اور پھر طارق نے مختصر طور پر اپنی کہانی بتا دی۔ طارق کے آخری الفاظ سنتے ہی اس شخص کے ہاتھ سے پستول زمین پر گر گیا اور وہ طارق سے لپٹ گیا۔ "تمھیں کوئی نہیں مار سکتا۔ تم سچے اور بہادر لڑکے ہو۔" نوجوان نے کہا اور ادھیڑ عمر کے آدمی نے آگے آ کر طارق کا ہاتھ چوم لیا۔

"ننھے لڑکے! تم نے ہمارا سر بلند کر دیا ہے..... خدا کا شکر ہے، ہماری قوم میں اتنے سچے اور بہادر بچے موجود ہیں۔ ہم تمھیں سلام کرتے ہیں۔"

اسی وقت ایک موٹر احاطے میں داخل ہوئی۔ جعفر کے باپ نے سمجھا کہ میرے آدمی اُستانی کو پھر پکڑ لائے ہیں۔ گاڑی کے رُکتے ہی اس میں سے اُستانی باہر نکلیں۔ ان کے پیچھے طارق کی ماں تھی۔ فوراً ہی ایک جیپ بھی آ گئی۔ صبح کی ہلکی روشنی میں جعفر کے باپ نے جیپ کو پہچان لیا۔ ان کا سارا بدن کانپنے لگا۔

"پولیس۔ پولیس۔" لوگوں نے کہا۔

"بھاگو..... بھاگو!" جعفر کے باپ کے آدمی بولے لیکن کوئی بھی بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جعفر کا باپ، جعفر اور ان کے آدمی گرفتار کر لیے گئے۔

آج کی رات جتنی خوف ناک تھی، آج کا دن اتنا ہی خوب صورت نکلا۔ جعفر کے باپ اور ان کے آدمیوں کی گرفتاری سے تھوڑی ہی دیر بعد ایک پولیس افسر فریدہ کی کوٹھی پر موجود تھا اور پھر صبح سویرے فریدہ کے ابا طارق کی ماں کے پاس آ گئے۔ طارق کی ماں اس وقت طارق کو لے کر اپنے گھر چلی گئی تھی۔ اُستانی اور موٹا آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس وقت فریدہ کے ابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بولے۔

"مجھے اپنے بھائی کے پکڑے جانے کا افسوس ہے لیکن افسوس سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا ہے۔ میں آپ سے اور طارق سے بہت شرمندہ ہوں۔" فریدہ کے ابا نے اُستانی صاحبہ سے بھی معافی مانگی۔ انھوں نے کہا۔

"میری وجہ سے آپ کو بھی اس قدر تکلیف اُٹھانا پڑی....."

فریدہ کے ابا اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولے۔ "مجھے اس شخص کو اپنا بھائی کہتے ہوئے شرم آتی ہے، جس نے دولت کے لالچ میں اتنے معصوم لوگوں پر ظلم کیے۔" فریدہ کے ابا نے طارق اور اس کی ماں سے واپس اپنی کوٹھی پر چلنے کو کہا لیکن طارق نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر ایک اور گاڑی آ کر رُکی۔ طارق یہ دیکھنے کے لیے کہ کون آیا ہے، باہر نکلا۔

اس وقت سورج کی پہلی کرن پھوٹی اور اس پہلی کرن نے دیکھا کہ فریدہ گاڑی سے باہر نکلی اور بھاگ کر طارق اور اس کی ماں کے پاس آ گئی۔ اب طارق، فریدہ کے ابا کی بات پر انکار نہ کر سکا۔ فریدہ کے ابا نے سب کو اپنی گاڑیوں میں بٹھایا اور انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔

دُنیا میں ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ سچ نے جھوٹ اور ظلم پر ہمیشہ فتح پائی ہے۔ طارق کی کہانی سچ، انصاف اور بہادری کی کہانی ہے۔ یہ صرف دولت پور کا قصہ نہیں بلکہ پورے ملک کی کہانی ہے۔ جہاں جہاں جھوٹ، ناانصافی اور ظلم پیدا ہوگا، وہاں وہاں طارق کی ماں، طارق کی اُستانی اور طارق پیدا ہوگا اور جس قوم میں طارق جیسا سچا اور بہادر لڑکا ہو وہ کبھی نہیں مرتی۔ وہ قوم ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ (ختم شد)

☆☆☆

ٹریفک کے نشانات



ہمارے ہاں ایسے بہت سے علاقے ہیں جہاں سے ریل گاڑیاں گزرتی ہیں۔ زیادہ تر جگہوں پر پھاٹک موجود ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آپ وہاں سے گزرتے نہیں۔ بعض جگہوں پر پھاٹک نہیں لگے ہوتے لیکن وہاں سے گاڑیاں گزرتی ہیں۔ یہ نشان اس مقصد کے لیے لگایا گیا ہے کہ آپ کو پتا چل جائے کہ یہاں سے گاڑی گزرتی ہے اس لیے احتیاط لازم ہے۔ آپ یہ مت سمجھیں کہ اگر پھاٹک نہیں تو آپ کسی بھی جگہ سے لائن عبور کر لیں۔ ☆☆

یہ نشان ظاہر کرتا ہے کہ آگے کسی نہ کسی وجہ سے خطرہ ہے بغیر اطلاع کے آگے نہ بڑھیں۔ لازمی ہے کہ پہلے کسی سے پوچھ لیں یا پہلے دیکھ لیں، لہٰذا بہتر ہے کہ جب بھی ایسا نشان دیکھیں رک جائیں۔ علم ہو جائے تو پھر احتیاط سے آگے بڑھیں۔ ☆☆





چکن چاؤمن

اجزاء:

چکن بغیر ہڈی کے:	آدھا کلو (چھوٹے ٹکڑے کرلیں)	چکن کیوبز:	دو عدد	سویا ساس:	تین کھانے کے چمچ
سفید سرکہ:	تین کھانے کے چمچ	کارن فلور:	ایک چائے کا چمچ	چکن کیوب ملا ہوا میدہ:	آدھا کھانے کا چمچ
ہری پیاز کے پتے:	ایک پیالی (باریک کٹے ہوئے)	پیاز:	ایک ڈلی (باریک کٹی ہوئی)	کالی مرچ پسی ہوئی:	ایک چائے کا چمچ
نمک:	حسب ذائقہ	چینی:	ایک چائے کا چمچ	تیل:	چار کھانے کے چمچ
سفید مرچ پسی ہوئی:	ایک چائے کا چمچ	بند گوبھی:	ایک پھول (باریک کٹی ہوئی)	نوڈلز:	ایک پیکٹ
گاجر:	تین عدد (باریک کٹی ہوئی)	شملہ مرچ:	تین عدد (باریک کٹی ہوئی)	تل کا تیل:	چند قطرے
ادرک، لہسن پسا ہوا:	ایک چائے کا چمچ	بین سپراؤٹس:	ایک پیالی	بین سپراؤٹس اور پتے آخر میں ڈالیں۔	

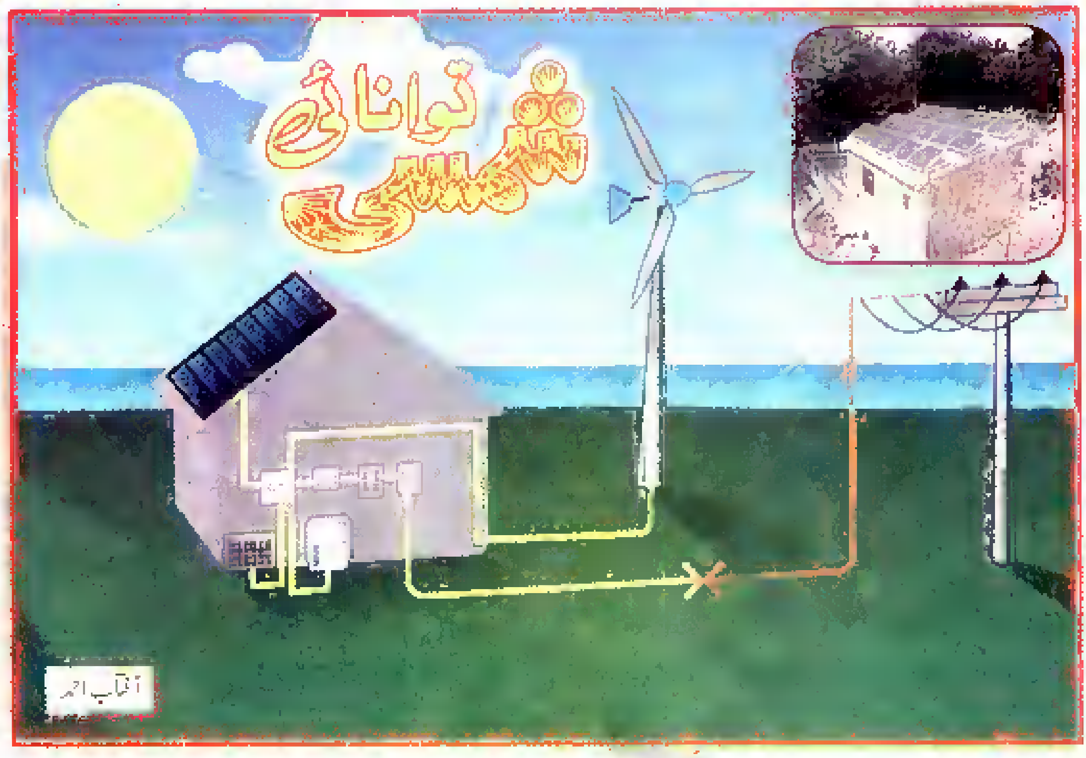
ترکیب: سب سے پہلے چکن میں ایک چمچ سرکہ، ایک چمچ سویا ساس، نمک اور کارن فلور ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک بڑی دیگچی میں خوب ڈھیر سارا پانی گرم کریں۔ جب پانی کھولنے لگے تو نوڈلز ڈال دیں، ساتھ میں ایک چمچ تیل ڈال دیں۔ جب نوڈلز گل جائیں تو چھلنی سے چھان لیں۔ فوراً ہی ٹھنڈے پانی سے نوڈلز کو اوپر نیچے کر کے دھو لیں اور ایک چائے کا چمچ تیل ملا دیں تاکہ نوڈلز چپک نہ جائیں۔ ایک بڑی کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ پیاز ڈال کر ہلکی گلابی کر لیں۔ ادرک لہسن ڈال کر ہلکا سا بھون کر چکن ڈال دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو سبزیاں اور کیوبز ڈال دیں۔ پھر سویا ساس، سرکہ، نمک، کالی، سفید مرچ، میدہ اور چینی ڈال کر پانچ منٹ تک بھون لیں۔ پھر نوڈلز ڈال کر مکس کریں اور بینز سپراؤٹ اور پتے ڈال دیں۔ تل کا تیل ڈال کر گرم گرم کھانے کے لیے پیش کریں۔

افغانی کڑاہی

اجزاء:

چکن ایک عدد:	ڈیڑھ کلو (مِڈ ٹکڑے کروالیں)	ادرک لمبی باریک کٹی ہوئی:	ایک کھانے کا چمچ	تیل:	ایک پیالی
ہری مرچ:	چھ عدد (لمبی باریک کٹی ہوئی)	کالی مرچ کٹی ہوئی:	آدھا کھانے کا چمچ	نمک:	حسب ذائقہ
لیموں:	دو عدد	زردہ کا رنگ:	ایک چٹکی	سفید سرکہ:	دو کھانے کے چمچ

ترکیب: چکن کو اچھی طرح سے دھو کر ایک کڑاہی میں ڈال دیں۔ ساتھ میں سرکہ، زردہ کا رنگ اور نمک ڈال کر ہلکی آنچ میں چڑھا دیں۔ ایک الگ فرائنگ پین میں تیل گرم کریں۔ جب چکن کا پانی خشک ہو جائے تو کالی مرچ، ہری مرچ اور ادرک ڈال کر گرم گرم تیل ڈال دیں۔ لیموں کا رس ڈال کر گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔



انسانی زندگی کی نقل و حرکت کا زیادہ انحصار توانائی پر ہے۔ آج کل جس بڑے پیمانے پر توانائی کا استعمال ہو رہا ہے، اس سے اندیشہ ہے کہ توانائی کے ذخائر بہت دنوں تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ توانائی کے یہ ذخائر اور ذرائع، ماحول کو بھی آلودہ کر رہے ہیں۔ ہمیں توانائی کے نئے متبادل ذرائع تلاش کرنے ہوں گے تاکہ توانائی کے ساتھ ساتھ ماحول کو بھی آلودگی سے بچایا جا سکے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہم تیل، کوئلہ، لکڑی اور گوبر کے علاوہ دھوپ، ہوا، پانی اور دیگر توانائی کے قدرتی ذرائع کا استعمال کریں۔ اس کے علاوہ شمسی توانائی بھی کبھی نہ ختم ہونے والا ذریعہ ہے۔

کوئلہ، تیل اور پانی سے پیدا ہونے والی بجلی (ہائیڈرو الیکٹرسٹی) توانائی حاصل کرنے کے تین اہم وسائل ہیں جن میں جوہری توانائی کا اضافہ بھی حال میں ہوا ہے۔ کوئلہ توانائی کے حصول یا صنعتی ایندھن کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ کوئلے کے علاوہ قدرتی تیل یا پیٹرولیم توانائی حاصل کرنے کا دوسرا بڑا ذریعہ ہے اور یہ نہایت کارآمد ایندھن بھی ہے۔ کچے قدرتی تیل سے ہمیں مٹی کا تیل، ڈیزل، پیٹرول، اسپرٹ، کھانا پکانے کی گیس وغیرہ حاصل ہوتی ہے۔ ہماری روزانہ کی زندگی میں قدرتی تیل اور اس سے بنی ہوئی اشیاء کی بہت ضرورت ہے۔ اسکوٹر، موٹر سائیکل، کار، بسیں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز، ملیں اور فیکٹریاں وغیرہ پیٹرول اور ڈیزل سے چلتے ہیں۔ غرض یہ کہ قدرتی تیل یا پیٹرولیم ہماری معاشی زندگی کی شہ رگ ہے۔ زمین کی گہرائیوں میں حرارت کا بے شمار خزانہ دفن ہے۔ ماہرین ارضیات کے مطابق زمین کی اس پرت کے نیچے درجہ حرارت 720 ڈگری فارن ہائیٹ (400 ڈگری سینٹی گریڈ) ہے۔ حرارت اکثر آتش فشانوں کے علاوہ زمین کے مختلف حصوں سے خارج ہونے والی بھاپ کی شکل میں بھی ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ 1904ء میں جیو تھرمل انرجی (Geo-Thermal Energy) کو کام میں لانے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ زمین کے اندر کی بھاپ کو پائپ کے ذریعے چرخاب تک لایا گیا اور اس سے بجلی پیدا کی گئی۔ زمین اندر سے بہت گرم ہے اور اس میں جگہ جگہ گرم پانی کی دھار یا سوکھی بھاپ کی تیز دھار چھوٹتی رہتی ہے۔ اس حرارت کو اگر توانائی میں بدل دیا جائے تو ہزاروں سال تک توانائی کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ کوئلہ سے پیٹرول بنانے کا طریقہ جنوبی افریقہ میں شروع ہوا۔ وہاں کوئلے کی کانیں وافر مقدار میں کوئلہ فراہم کر سکتی ہیں مگر یہ طریقہ بہت مہنگا ہے اور اس میں کوئلے کی کھپت بہت زیادہ ہوتی

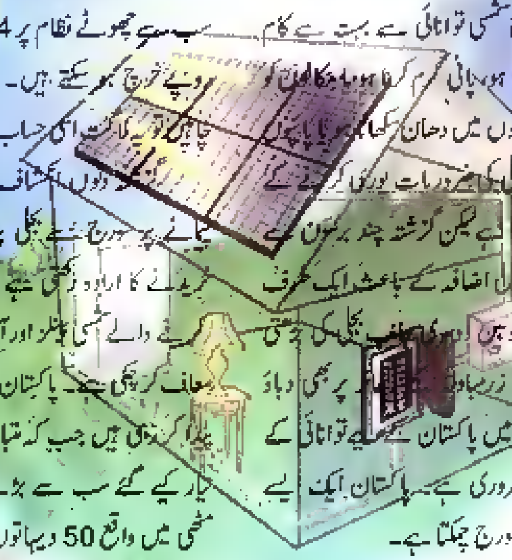
ہے۔ کوڑا کرکٹ سے بھی توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ ماہرین کے مطابق امریکہ میں سالانہ 25 کروڑ ٹن کوڑا پھینکا جاتا ہے۔ اس سے دس کروڑ ٹن کوئلہ کے برابر توانائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ پودوں سے بھی پٹرول حاصل کیا جاتا ہے۔ ماہرین کی تحقیق کے مطابق گنے کے رس سے الکوحل (Alcohal) بنائی جاتی ہے اور اس الکوحل کو بطور پٹرول استعمال کر کے گاڑی چلائی جا سکتی ہے۔ دُنیا بھر میں پودوں سے الکوحل کا سب سے زیادہ ایندھن پیدا کرنے والا ملک برازیل ہے کیوں کہ وہاں گنا بہت پیدا ہوتا ہے۔ اس تکنیک کا ہمارے ملک میں بھی استعمال ہو رہا ہے۔ عہد حاضر کے سائنس دان سورج کی روشنی سے توانائی حاصل کرنے کے تجربات میں مصروف ہیں اور کافی حد تک انہیں کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ ماسکو میں ایک عظیم الشان بجلی گھر تعمیر کیا گیا ہے، جہاں آئینوں کے ذریعے سورج کی کرنوں کا عکس ڈال کر ایک گھنٹے میں تیرہ ٹن بھاپ تیار کی جاتی ہے۔ زمین پر روزانہ سورج کی جو شعاعیں پڑتی ہیں ان میں اتنی طاقت ہوتی ہے، جو ہزاروں ٹن کوئلے سے بھی بمشکل حاصل کی جا سکتی ہے۔ قدیم زمانے میں آفتاب کی تمازت کے محدود استعمال کا سراغ ملتا ہے۔ آئینوں، عدسوں (lenses) کی مدد سے ایک وسیع رقبے کی شعاعوں کو ایک نقطے پر مرکوز کر کے حرارت حاصل کی جاتی تھی۔ یہ طریقے اٹھارہویں صدی کے شروع میں معلوم کیے گئے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں پیرس کی نمائش میں ایک عکاس کے ذریعے سورج کی شعاعوں کو ایک بوائلر پر مرکوز کیا گیا تھا۔ عالمگیر جنگ کے زمانے میں آسٹریلیا، جرمنی اور فرانس میں شمسی انجن تیار کیے گئے۔ ان کی طاقت پچاس گھوڑوں کے برابر تھی، لیکن آئینے کی طرز کی مشینوں میں یہ نقص ہے کہ شمسی شعاعوں کو جمع کرنے کے لیے کافی بڑا رقبہ گھیرتی ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں آئینوں کی مدد سے ایک شمسی بھٹی تیار کی گئی اور دھاتوں کو پگھلانے کے لیے تین ہزار سینٹی گریڈ تک حرارت پیدا ہوئی۔

کینیا کی ٹیلی کمیونیکیشن کمپنی سفاری کام افریقہ میں مکمل طور پر شمسی توانائی پر چلنے والی پہلی ٹیلی فون سروس شروع کر رہی ہے۔ ایک موبائل فون سروس کینیا کی ایک اہم ضرورت کو بروقت پوری کرنے کی جانب ایک بڑا قدم ہے جسے توانائی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ کینیا زیادہ تر پن بجلی پر انحصار کرتا ہے۔ پن بجلی اور شمسی توانائی کے ساتھ ساتھ کینیا میں ہوا اور جیوتھرمل ذرائع سے توانائی حاصل کرنے کے وسیع امکانات موجود ہیں۔

ہوا کی طاقت کا استعمال دُنیا کے کچھ ممالک نے آٹے کی چکیوں کو چلا کر کیا ہے۔ بہتے ہوئے پانی کو ڈیموں کے ذریعے روک کر بہت اُونچائی سے گرا کر بجلی پیدا کرتے ہیں۔ اگر سائنسی ترقی اس رفتار سے ہوتی رہی تو وہ دن دُور نہیں جب سورج کی روشنی سے طاقت حاصل کر کے ہر وہ کام کیا جائے جو آج قدرتی تیل سے ہو رہا ہے اور جس کے ذخائر محدود ہیں۔ شمسی توانائی کبھی نہ ختم ہونے والی توانائی ہے۔

سورج کی دھوپ اپنے آپ میں آلودگی سے پاک ہے اور با آسانی میسر ہے۔ ہمیں یہ سہولت حاصل ہے کہ سال کے 365 دنوں میں 250 سے لے کر 320 دنوں تک سورج کی پوری دھوپ ملتی ہے۔ دن میں سورج چاہے دس سے بارہ گھنٹے تک ہی ہمارے ساتھ رہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ سورج کی گرمی ہمیں رات دن کے 24 گھنٹے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں نہ دھواں ہے، نہ کثافت اور نہ ہی آلودگی۔ دیگر ذرائع سے حاصل توانائی کے مقابلے میں سورج کی روشنی سے 36 گنا زیادہ توانائی حاصل ہو سکتی ہے، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ سورج کی روشنی کرنوں کی شکل میں صرف ایک چوتھائی حصہ ہی زمین پر آتی ہے اور تین چوتھائی حصہ کرۂ باد میں ہی رہ جاتی ہے۔ سورج اپنی توانائی ایکس ریز سے لے کر ریڈیو ویو کے ہر ویو لینتھ پر منعکس کرتا ہے۔ اسپکٹرم (Spectrum) کے 40 فیصد حصے پر یہ توانائی نظر آتی ہے اور 50 فیصد شمسی توانائی انفراریڈ (Infra-Red) اور بقیہ الٹراوائلیٹ (Ultra-Violet) کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ دھوپ سے حاصل ہونے والی توانائی "سولر انرجی" یا "شمسی توانائی" کہلاتی ہے۔ دھوپ کی گرمی کو پانی سے بھاپ تیار کر کے جنریٹر چلانے اور بجلی بنانے میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دھوپ قدرت کا عطیہ ہے، ہر روز دُنیا پر اتنی دھوپ پڑتی ہے کہ اس سے کئی ہفتوں کے لیے بجلی تیار کی جا سکتی ہے۔ سورج زمین سے تقریباً

15 کروڑ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ چوں کہ آفتاب میں صرف تپتی ہوئی گیس پائی جاتی ہے، اس لیے کثافت (Density) کم ہے۔ اس کا وزن زمین سے سوا تین لاکھ گنا زیادہ ہے۔ سورج کی باہری سطح کا درجۂ حرارت تقریباً 6 ہزار ڈگری سلسیس (Celcius) ہے۔ اس کے مرکزی حصے کا درجۂ حرارت ایک کروڑ ڈگری سلسیس ہے۔ اس کے چاروں طرف روشنی اور حرارت نکلتی رہتی ہے۔ سورج کی سطح کے فی مربع سینٹی میٹر سے پچاس ہزار موم بتیوں جتنی روشنی نکلتی ہے اور زمین سورج سے نکلتی ہوئی طاقت کا محض دو سو بیس کروڑواں حصہ ہی اخذ کر پاتی ہے۔ شمسی توانائی کے بغیر زمین پر زندگی ممکن نہیں۔ سبز پتیوں والے پودے اس طاقت کا استعمال کرتے ہیں جس کے باعث ان میں ضیائی تالیف کا عمل ہوتا ہے۔ آج شمسی توانائی سے بہت سے کام لیے جارہے ہیں۔ چاہے کھانا پکانا ہو، پانی گرم کرنا ہو یا مکانوں کو ٹھنڈا یا گرم رکھنا ہو۔ فصلوں کے دنوں میں دھان کھاد یا پانی کے ذریعے پہنچائی۔ پاکستان اپنی بجلی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے زیادہ تر خام تیل پر انحصار کرتا ہے لیکن گزشتہ چند برسوں سے عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کے باعث ایک طرف جہاں بجلی مہنگی ہوتی جارہی ہے، وہیں دوسری جانب بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ پوری کرنے کے لیے زرمبادلہ کے ذخائر پر بھی دباؤ بڑھ رہا ہے۔ موجودہ صورت حال میں پاکستان کے لیے توانائی کے متبادل ذرائع تلاش کرنا انتہائی ضروری ہے۔ پاکستان ایک ایسے خطے پر واقع ہے جہاں سارا سال سورج چمکتا ہے۔



شمسی توانائی کا استعمال گزشتہ کچھ برسوں میں پوری دنیا میں بڑھ رہا ہے۔ اس کے بارے میں عام لوگوں کو زیادہ معلومات نہیں ہیں جس وجہ سے اس نظام سے لوگوں کی توقعات زیادہ بڑھ جاتی ہیں اور وہ کئی غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں۔ دراصل شمسی پینلز سورج سے بہت سی روشنی حاصل کرتے ہوئے بجلی کی قلیل مقدار پیدا کرتے ہیں، اس لیے اس بجلی کا استعمال احتیاط سے کرنا چاہیے اور روشنی کے لیے ایل ای ڈی بلب استعمال کرنے چاہئیں۔

صرف ایل ای ڈی بلب ہی نہیں گھر کی دیگر چیزیں بھی شمسی توانائی سے مطابقت رکھنے والی ہونی چاہئیں۔ شمسی پینلز ڈی سی کرنٹ پیدا کرتے ہیں، اس لیے ان سے حاصل ہونے والی بجلی سے وہی اشیاء چلانی چاہیے جو ڈی سی کرنٹ پر کام کرتی ہوں جب کہ شمسی توانائی کے یونٹ پر لاگت کم کرنے کے لیے اس نظام کے ساتھ منسلک دیگر آلات بھی انرجی ایفیشنٹ ہونے چاہئیں۔ سولر سسٹم کی موجودہ لاگت کے پیش نظر بہتر یہ ہے کہ گھر کا پورا نظام شمسی توانائی پر نہ کیا جائے بلکہ صرف اسے بیک اپ کے طور پر استعمال کریں، بالکل اسی طرح جیسے بجلی چلے جانے کی صورت میں یو پی ایس یا جنریٹر کو بیک اپ کے طور پر رکھا جاتا ہے۔

پاکستان کے کسی بھی علاقے میں لوڈ شیڈنگ کے وقت یا بجلی چلے جانے کی صورت میں یا پھر ایسے علاقوں میں جہاں بجلی سرے سے نہیں ہے، گھر کا ایک کمرہ روشن کرنے کے لیے شمسی پینل کے سب سے چھوٹے نظام پر 4 سے 5 ہزار یا زیادہ سے زیادہ 10 ہزار روپے خرچ ہو سکتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ ایک پنکھا بھی چلانا چاہیں تو پھر لاگت اسی حساب سے بڑھتی جائے گی۔

کچھ دنوں پہلے انکشاف کیا گیا تھا کہ حکومت پاکستان بڑے پیمانے پر سورج سے بجلی پیدا کرنے والے نجی اداروں سے بجلی خریدنے کا ارادہ رکھتی ہے جب کہ کم و بیش ایک کلوواٹ بجلی پیدا کرنے والے شمسی پینلز اور آلات کی درآمد پر حکومت کسٹم ڈیوٹی بھی معاف کر چکی ہے۔ پاکستان میں بہت سی غیر سرکاری تنظیمیں شمسی بجلی پیدا کر رہی ہیں جب کہ متبادل توانائی بورڈ کی جانب سے اب تک تیار کیے گئے سب سے بڑے منصوبے کے تحت تھرپارکر کے علاقہ مٹھی میں واقع 50 دیہاتوں میں 30 ہزار گھروں کو شمسی پینلز کے ذریعے بجلی فراہم کی جا چکی ہے جس کے تحت ہر گھر کو دو بلب اور ایک پنکھا چلانے کے لیے شمسی توانائی کا نظام لگا کر دیا گیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت ایک گھر پر 40 ہزار روپے خرچ ہوئے اور اب جب کہ شمسی پینلز اور دیگر متعلقہ آلات کی قیمتوں میں کمی ہو رہی ہے، اس لاگت میں مزید کمی ہو سکتی ہے۔ ان اقدامات کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ملک غیر روایتی توانائی کے میدان میں داخل ہو چکا ہے اور توانائی کا حاصل کرنے کا مستقبل اب دھوپ، سمندر کے پانی اور ایک قسم کی ایٹمی توانائی جو کہ Nuclear Fusion کہلاتی ہے، جیسے ذرائع سے وابستہ ہوتا جارہا ہے۔ ☆☆☆



مولا بخش

لاہور کے قریب کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ لڑکی کا نام زینب تھا اور لڑکے کا للّو۔ لڑکی بڑی تھی اور وہیں گاؤں میں چودھری کرم دین کے لڑکے کے ساتھ اس کی منگنی ہو گئی تھی مگر چودھری بہت لالچی تھا۔ اس نے کسان سے کہا تھا کہ جب تک تم اپنی بیٹی کو پچاس ہزار روپے کا جہیز نہ دو گے، میں برات نہیں لاؤں گا۔

بے چارے کسان کے لیے اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا ہی مشکل تھا۔ وہ پچاس ہزار روپیہ کہاں سے لاتا۔ دن رات کی یہ فکر اسے گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔

للّو سے اپنے باپ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ اس نے کہا: ''بابا، میں شہر جا کر محنت مزدوری کرتا ہوں۔ کچھ روپیہ تم جمع کرنا، کچھ میں۔ اس طرح دو ایک سال میں ہمارے پاس پچاس ہزار روپیہ جمع ہو جائے گا۔''

کسان کا دل تو نہ چاہتا تھا کہ اکلوتے بیٹے کو اپنے سے جدا کرے مگر کیا کرتا، مجبوری تھی۔ سینے پر صبر کا پتھر رکھا اور اسے نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

للّو گاؤں سے نکل کر ناک کی سیدھ چلتا گیا۔ کچھ دور چل کر ایک جنگل میں اسے ایک بڑھیا ملی۔ نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت۔ بس ہڈیوں کا ڈھانچا۔ وہ لکڑیاں چن رہی تھی۔ للّو کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے جھٹ پٹ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے گٹھا باندھا اور بڑھیا سے بولا: ''دادی اماں! چلیے، آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔''

یہ بڑھیا اصل میں پرستان کی پری تھی۔ مفت کی کھا کھا کے موٹی ہو گئی تھی۔ اس لیے لاہور کے ایک بیوٹی پارلر میں سلمنگ کورس کرنے آئی تھی۔ اس نے سوچا، کوئی نیک آدمی ملے تو اسے انعام دیتی جاؤں۔ چناں چہ اس نے بڑھیا کا بھیس بدلا اور لکڑیاں چننے لگی۔ وہ للّو کے برتاؤ سے بہت خوش ہوئی، اسے ڈھیروں دعائیں دیں اور بولی: ''بیٹا، تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ تو نے میرا دل خوش کر دیا۔ اب میں تجھے خوش کروں گی۔''

یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی۔ پلک جھپکتے میں وہاں ایک گدھا آ کر دُم ہلانے لگا۔ بڑھیا بولی: ''بیٹا! یہ تیری نیکی کا انعام ہے۔ اسے گھر لے جا۔ جب تجھے پیسوں کی ضرورت ہو، اس کا کان مروڑنا اور خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھنا۔''

للّو گدھے کو لے کر واپس گھر کی طرف چل پڑا۔ اب شام ہو گئی تھی اور اس کا گاؤں دور تھا۔ راستے میں ایک گاؤں پڑا، جس

میں ایک سرائے تھی۔ للّو نے سوچا، رات اس سرائے میں بسر کروں۔ صبح ہوتے ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ اس نے سرائے کے مالک سے چارپائی اور بستر مانگا اور کھانا لانے کے لیے کہا مگر سرائے والے نے اسے پھٹے حالوں دیکھ کر انکار کر دیا اور بولا: "پہلے پیسے دو۔ پھر بستر اور کھانا۔"

للّو کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا: "تم مجھے کنگال سمجھتے ہو؟ یہ دیکھو!" یہ کہا اور جھٹ گدھے کا کان مروڑ دیا۔ گدھے کے منہ سے کھن کھن روپے گرنے لگے۔ سرائے والے کی چندھی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں اور اس کے من میں بے ایمانی نے گھر کر لیا۔ جب للّو کھانا کھا کر سو گیا تو اس بے ایمان نے للّو کا گدھا تو چپکے سے اڑا لیا اور اس کی جگہ بالکل ویسا ہی ایک اور گدھا باندھ دیا۔

دوسرے دن للّو، گدھا لے کر خوش خوش گھر پہنچا اور باپ سے بولا: "دیکھو بابا! ایسی چیز لایا ہوں کہ تمہارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ اس گدھے کا کان مروڑو اور جتنے چاہے روپے بٹور لو۔ ہلدی لگے نہ پھٹکری، رنگ چوکھا آئے۔"

یہ کہہ کر اس نے گدھے کا کان مروڑا مگر بجائے اس کے گدھے کے منہ سے روپے جھڑتے، اس نے زور سے دولتی ماری اور ڈھینچوں ڈھینچوں کر کے سارا گاؤں سر پر اٹھا لیا۔ للّو کو بہت دکھ ہوا۔ وہ دن تو اس نے روتے دھوتے گزارا اور دوسرے دن صبح ہوتے ہی پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔

اس مرتبہ اسے ایک گاؤں میں ایک بڑھئی ملا۔ اس نے للّو کو اپنے ہاں نوکر رکھ لیا۔ للّو نے اس کی جی جان سے خدمت کی، جس سے وہ بہت خوش ہوا اور اسے ایک چھوٹی سی میز دے کر بولا۔ "یہ تمہاری خدمت کا صلہ ہے۔ جب تم اس سے کہو گے، میز ری میز، کھانا دے تو یہ قسم قسم کے لذیذ اور مزے دار کھانوں سے بھر جائے گی۔" یہ بڑھئی دراصل ایک پری زاد تھا اور گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے وہاں آیا تھا۔

بس جناب، للّو نے میز کندھے پر رکھی اور خوش خوش گھر کی طرف روانہ ہوا مگر اب کے بھی وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ رات کو وہ پھر اسی سرائے میں ٹھہرا اور سرائے والے سے کھانا لانے کے لیے کہا۔ سرائے والا اسے پہچان گیا۔ اس نے کھانے سے پہلے پیسے تو نہ مانگے لیکن ایسا بدمزہ کھانا دیا کہ للّو کو ابکائیاں آنے لگیں۔ اس نے سرائے والے کا کھانا واپس کر دیا اور میز کو حکم دیا۔ "میز ری میز، کھانا لا!"

کہنے کی دیر تھی کہ میز قسم قسم کے لذیذ اور خوش بودار کھانوں سے بھر گئی۔ للّو بے وقوف نے یہ جتانے کو یہ کھانا سرائے والے کو بھی کھلایا اور لمبی تان کر سو گیا۔ آدھی رات کو اس بے ایمان سرائے والے نے للّو کی میز تو خود لے لی اور اس کی جگہ اس جیسی دوسری میز رکھ دی۔

دوسرے دن للّو، ہنستا، کھل کھلاتا گھر پہنچا اور باپ کو ساری بات بتائی مگر جب اس نے میز کو کھانا لانے کا حکم دیا تو وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ کھانا تو بڑی بات ہے، اس پر مکھی تک آ کر نہ بیٹھی۔

کسان نے کہا: "بیٹے، اس جادو کے چکر سے نکلو اور محنت مزدوری کر کے پیسے کماؤ۔ اتنے دن یوں ہی ضائع ہو گئے۔ اگر تم نے زیادہ دیر کی تو چودھری منگنی توڑ دے گا اور زیبو یوں ہی بیٹھی رہے گی۔ لوگ کہیں گے کہ لڑکی ہی میں کوئی عیب ہے جو چودھری نے منگنی توڑ دی ہے۔"

دوسرے دن للّو نے پھر باپ سے اجازت لی اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ کچھ دور گیا تھا کہ کیا دیکھتا ہے۔ ایک بوڑھا پھونس آدمی، سر پر ایک بھاری گٹھڑی رکھے، ہانپتا کانپتا چلا جا رہا ہے۔ للّو کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے گٹھڑی خود اٹھا لی اور بوڑھے کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔ بوڑھا بہت خوش ہوا۔ بولا: "تم بہت نیک اور رحم دل لڑکے ہو۔ میں تمہیں اس نیکی کا انعام دینا چاہتا ہوں۔"

یہ بوڑھا اصل میں ایک نیک اور خدا ترس جن تھا۔ اس نے صندوق میں سے ایک موٹا سا ڈنڈا نکالا اور بولا: "اس کا نام مولا بخش ہے۔ جب تم کو کوئی دشمن ستائے تو اس سے کہنا، چل میرے ڈنڈے اور یہ ڈنڈا مار مار کر اس کا بھُرکس نکال دے گا۔"

للّو نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور ڈنڈا لے کر واپس گھر کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے شام ہوئی تو راستے میں وہی سرائے پڑی جس میں وہ دو دفعہ ٹھہرا تھا۔ اس نے سرائے میں پہنچتے ہی ڈنڈا نکالا اور سرائے والے کی طرف اشارہ کر کے بولا: "چل میرے ڈنڈے۔"

لو جناب، یہ کہنا تھا کہ ڈنڈا سرائے والے پر پل پڑا اور مار مار کے اس کا کچومر نکال دیا۔ آخر اس نے ہاتھ جوڑے، معافی مانگی



اور للّو کو اس کا گدھا اور میز واپس کر دی۔ اب للّو کے پاس جادو کی تینوں چیزیں تھیں۔ وہ انہیں لے کر خوش خوش گھر پہنچا اور باپ کو گدھے اور میز کے کرتب دکھائے۔ البتہ ڈنڈے کا کرتب نہیں دکھایا۔ اس کے صرف گُن بتا دیے۔

کسان بولا: "چل بیٹا! اب چودھری کے گھر چلیں۔ وہ روز تقاضا کرتا ہے کہ لڑکی کی شادی جلدی کرو، ورنہ میں کوئی اور لڑکی ڈھونڈتا ہوں۔"

کسان بیٹے کے ساتھ چودھری کے گھر گیا اور اس سے کہا: "چودھری صاحب، خدا کے فضل سے، میں نے جہیز کے لیے پچاس ہزار روپے کا بندوبست کر لیا ہے، اب شادی کی تاریخ مقرر کر لیجیے۔"

چودھری بڑا لالچی اور کائیاں تھا۔ اس نے سوچا، بوڑھے کے پاس کافی مال معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کچھ اور اینٹھنا چاہیے۔ وہ بولا: "ٹھیک ہے۔ مگر یہ پچاس ہزار تو کپڑے لتّے، برتن بھانڈوں، گہنوں اور برات کے کھانے پر ہی لگ جائیں گے۔ تمہیں جہیز میں ایک ٹیلی ویژن بھی دینا پڑے گا ورنہ یہ شادی نہیں ہوگی۔"

بے چارہ کسان بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا: "چودھری صاحب، آپ نے پہلے تو یہ بات نہیں کہی تھی۔"

چودھری بولا: "پہلے نہیں کہی تھی تو اب کہتا ہوں۔ مجھے ٹی وی بھی چاہیے، رنگین۔ جاپان اسپیشل۔"

للّو نے اپنے باپ کے کان میں کچھ کہا اور پھر چودھری سے بولا: "ہم آپ کو رنگین ٹی وی بھی دیں گے۔ اور کچھ؟"

چودھری داڑھی کھجا کر بولا: "بس پتر، اور کیا...... ہاں ایک وی سی آر بھی ہو تو اچھا ہے۔ آخر شادی کی فلم بھی تو بنے گی۔ ہم اسے کیسے دیکھیں گے؟"

للّو نے کہا: "آپ کو وی سی آر بھی مل جائے گا۔ چودھری صاحب! فکر نہ کریں...... اور شاید آپ کار بھی مانگیں گے، تو میں نے آپ کے لیے نئے ماڈل کی ایک ٹیوٹا کرولا کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔"

للّو نے کہا: "یہ جی ٹیوٹا کرولا کا اسٹیرنگ ہے...... وہ جس سے کار کو اِدھر اُدھر موڑتے ہیں۔ سمجھے؟"

"سمجھ گیا، پتر...... سمجھ گیا۔" چودھری نے ہنس کر کہا اور اپنی پگڑی اُتار کر چارپائی پر رکھ دی۔

للّو نے زور سے کہا: "چل میرے ڈنڈے۔" اس کا یہ کہنا تھا کہ ڈنڈا تڑ تڑ تڑاتڑ چودھری کی گنجی کھوپڑی پر برسنے لگا۔ چودھری نے دہائی مچا دی۔ "ہائے! میں مرا۔ ہائے! میں مر گیا۔ ارے لوگو! دوڑو، مجھے اس شیطانی چرخے سے بچاؤ۔"

جادو کا ڈنڈا چودھری کی چندیا پر طبلہ بجا رہا تھا اور وہ درد کے مارے بلبلا رہا تھا۔ آخر اس نے کسان کے پیروں پر سر رکھ دیا اور رو رو کر بولا: "میرے بھائی، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ ایک مہینے بعد برات لے کر آؤں گا اور جو کچھ تم خوشی سے دو گے، لے لوں گا۔ میری توبہ! اب خدا کے لیے اس شیطانی ڈنڈے کو روکو۔"

اس طرح چودھری کو اس کے لالچ کی سزا ملی اور مہینے بعد للّو کی بہن کا چودھری کے بیٹے کے ساتھ بیاہ ہو گیا۔ کسان نے سارے گاؤں کی دعوت کی اور انہیں ایسے مزے دار کھانے کھلائے کہ وہ آج تک انگلیاں چاٹتے ہیں۔ ☆☆☆

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 اکتوبر 2014ء ہے۔



ستمبر 2014ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے مجلس ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، ان عنوانات میں سے بہ ساتھی بذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔



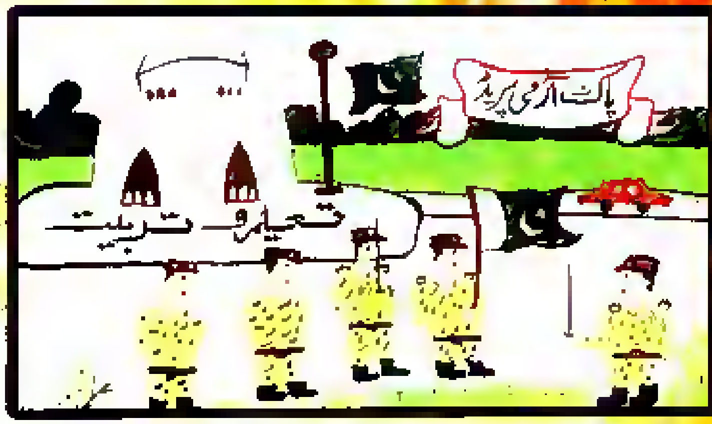
- مجسم خانۂ حیات کی تصویر بے بسی (حافظ محمد ابراہیم خلیل، ڈیرہ اسماعیل خان)
- قدرت کا ہے یہ نظام
  ابا جی! آپ کا نہیں یہ کام (معیز اعتزاز، اٹک)
- یہ کیا ہوا کب ہوا کیسے ہوا، مت پوچھو (علیزہ احمد، راول پنڈی)
- جوتی کا گرا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا (محسن علی، حسن ابدال)
- اسے کہتے ہیں غلطی ناسمجھی میں (احمد یار، لاہور)

WWW.PAKSOCIETY.COM

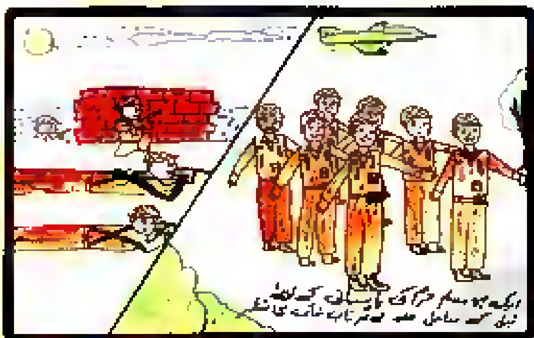
ماہ نونہال مصور

فوجی پریڈ

اضافہ صرف انگلی ریا کمیں ہی بنائیں۔



سید زین العابدین شاہ، رحیم یار خان (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)



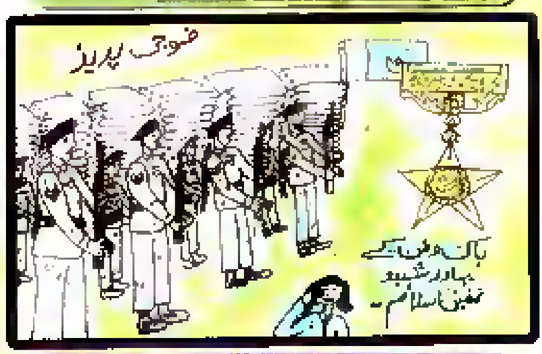
سید توقیر، کراچی (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)



عظیم ڈوگر، ملتان (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)



شہر بانو نعیم، گوجرانوالہ (پانچواں انعام: 5 روپے کی کتب)



عائشہ رحید، بہاول پور (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام یہ ہیں: زرعینہ فرحانہ انڈازی: سلمان یوسف، علی پور۔ ملک محمد سلمان، واہ کینٹ، راول پنڈی۔ محمد عبداللہ، راول پنڈی۔ شاہ گوہر، سیال کوٹ، نوری، سیال کوٹ۔ عشنہ مریم، میاں والی۔ محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ ماہ رخ ارشد، لاہور۔ عنبر اشرف اعوان، لاہور۔ نور فاطمہ، فیصل آباد۔ محمد شاہ زیب حسرت، بہاول پور، حسرت، بہاول پور۔ محمد منیف، پشاور۔ علی وہاب، واہ کینٹ۔ جمشید عالم، راول پنڈی۔ سادہ وفتی، خانیوال۔ ندیم احسن، بورے والا۔ طیبہ رسول، سرگودھا۔ مطیبہ بشیر، واہن پور۔ عرشی ناز، اسلام آباد۔ ادریس بابر، سیال کوٹ۔ ثوبیہ سلیم، جہلم۔ ندیم اعوان، سرگودھا۔ اسرار الحق، جمیر پور آزاد کشمیر۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

نومبر کا موضوع
علامہ اقبال
آخری تاریخ 8 نومبر

اکتوبر کا موضوع
بجلی کی بچت
آخری تاریخ 8 اکتوبر